ارشادات حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ (مجدد صد چہاردہم)

صرف بدیوں سے بچنا کافی نہیں اس کے بالمقابل نیکیاں نہ ہوں تو مخلصی نہیں

یہ تو وہ پہلا حصہ ہے نیکی کا مگر نیکی اسی پر ختم نہیں، بعض لوگ ہندوؤں، عیسائیوں اور دوسری قوموں میں بھی پائے جاتے ہیں جو بعض گناہ نہیں کرتے۔ مثلاً بعض جھوٹ نہیں بولتے، کسی کا مال ناحق نہیں کھاتے، قرضہ دبا نہیں لیتے بلکہ واپس کرتے ہیں، معاملات معاشرت میں بھی پکے ہوتے ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اتنی ہی بات نہیں جس سے وہ راضی ہو جاوے بدیوں سے بچنا چاہیے۔ اور اس کے بالمقابل نیکی کرنی چاہیے۔ اس کے بغیر مخلصی نہیں۔ جو اسی پر مغرور ہے کہ وہ بدی نہیں کرتا۔ وہ نادان ہے۔ اسلام انسان کو اسی حد تک نہیں پہنچاتا اور چھوڑتا بلکہ وہ دونوں شقیں پوری کرانا چاہتا ہے۔ یعنی بدیوں کو تمام و کمال چھوڑ دو اور نیکیوں کو پورے اخلاص سے کرو۔ جب تک یہ دونوں باتیں نہ ہوں نجات نہیں ہو سکتی۔ مجھے ایک مثال کسی نے سنائی تھی اور وہ صحیح ہے۔ کہتے ہیں ایک شخص نے کسی کی دعوت کی اور بڑے تکلف سے اس کی تواضع کی۔ جب وہ کھانے سے فراخت پا چکا تو اس سے نہایت عجز و انکسار سے میزبان نے کہا کہ میں آپ کی شان کے موافق حق دعوت ادا نہیں کر سکا۔ آپ مجھے معاف فرمائیں۔ مہمان نے سمجھا کہ گویا اس طرح پر احسان جتاتا ہے۔ اسے کہا کہ میں نے بھی آپ کے ساتھ بڑی نیکی کی ہے اسے تم یاد نہیں رکھتے۔ اس نے کہا کہ وہ کونسی نیکی ہے؟ تو کہا کہ جب تم مہمانداری میں مصروف تھے تو میں تمہارے گھر کو آگ لگا سکتا تھا مگر میں نے کس قدر احسان کیا ہے کہ آگ نہیں لگائی۔ یہ بدی کی مثال ہے گویا آگ لگا کر خطرناک نقصان نہیں کیا۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بدی نہ کرنے کا احسان جتاتے ہیں ایسے لوگ حیوانات کی طرح ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قدر وہی لوگ ہیں جو بدی سے پرہیز کر کے ناز نہیں کرتے بلکہ نیکی کر کے بھی کچھ نہیں سمجھتے۔ (ملفوظات)

اداریہ

شہادتِ حسینؑ داستانِ استقامت

شہادت حسینؑ بے شک تاریخ کا ایک المناک واقعہ ہے۔ان واقعات کا ذکر کرنا درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بھی انبیاء کرام صالحین عظام کے قصص بیان فرمائے ہیں۔حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ اُن کے مصائب تکالیف اور بھائیوں کی بے رحمی کے ذکر کو دھرایا ہے۔ بلکہ خود قرآن کریم نے اس قصہ کو احسن القصص قرار دیا ہے۔ اور اُس کا مقصد صاف صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔کہ مصیبت کے وقت اور مشکلات کے زمانہ میں ثابت قدمی استقلال سے کام لیا جائے۔ جو غرض مقصود قرآن اور سنت رسول کریمﷺ ہے۔ وہ یہی ہے کہ آزمائش کے وقت صبر، حلم، بردباری، اخلاق حسنہ، اخلاق فاضلہ، حسنِ سلوک اور حُسنِ خلق سے کام لیا جائے۔ اور ہر فعل سے انہی کا ظہور ہو۔مختصراً ایسے رنگ میں رنگین ہوں جن کی ایک مثال حضرت امام حسین علیہ السلام ہیں۔اُن کا اسوۂ حسنہ بے مثال ہے۔اُن کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کسی صالح اور متقی کے لئے لازم ہے تا کہ اُن میں سے ہر ایک اُن مدارج عالیہ پر پہنچیں اور دین و دنیا دونوں میں سرخرو ہوں۔ امام حُسین علیہ السلام کے تذکرہ سے غرض یہ ہونی چاہیے کہ مومن، متقی اور صالح لوگ ابتلا کے وقت اطمینان اور سکون قلب حاصل کریں اور ان کے دل میں حوصلہ اور جذبہ قربانی بیدار ہو لیکن حضرت امام حسینؑ کی شہادت پر ماتم آہ وزاری، گریہ و بقا اسلامی اخلاقیات سے میل نہیں کھاتیں کیونکہ اسلام صبر و استقامت، بہادری و حوصلہ مندی کا درس دیتا ہے۔ واقعات کربلا میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے پیش نظر قرآن پر عمل ہی تھا اور انہوں نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ واقعی قرآن ہی وہ سچی صداقت ہے جس کے لئے جان کی قربانی دی جاسکتی ہے۔عالم محشر میں وہ نتائج جو قرآن کریم پر چل کر حضرت امام حسین کے لئے مقدر ہو چکے ہیں نمایاں ہوں گے۔تو سبحان اللہ اُس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اور خود رسول کریمﷺ اور اُن کے اہل وعیال کو کس قدر فرحت سرور اور فخر ہو گا۔اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا تصور کرنا ہی ممکن نہیں جو امام حسین علیہ السلام کے عمل سے اُن کے لئے مقدور ہیں۔آج ہم اگر امام حسین کے اسوۂ حسنہ پر عمل نہیں کر سکتے تو کم از کم اُن کے نام لیوا ہونے کی حیثیت سے کچھ نہ کچھ تو کوشش کر سکتے ہیں کہ اُن کے عمل کا نمونہ بن سکیں۔اگر ایسا ہو تو شاید ہم پر رحم کیا جائے۔گناہوں کا جو زہر ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے نکل جائے۔ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے نفرت کی جو آگ ہے وہ ناپاک ہے۔اس ناپاک آگ سے اعمال بد اور قبیح اعتقادات پیدا ہوتے ہیں جو ہمیں جہنم کے ایندھن میں دھکیل دیتے ہیں۔آپس میں نفرت کی یہ آگ ہم نے خود بھڑکائی ہے۔اور یہ اُس وقت تک بجھ نہیں سکتی جب تک ہم امام حسینؑ کے نقش قدم پر نہ چلیں۔اپنے اعمال اور افعال کے ذریعے اپنے آپ کو خدا، رسول اور قرآن کریم کا مطیع نہ بنا دیں۔اور رسول کریمﷺ اور امام حسین علیہ السلام کی پیروی میں ثابت قدم نہ ہوں۔ بے شک ایسے ہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوتی ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کی آزمائشوں اور اُس کے بھیجے ہوئے مصائب پر خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں صبر و ہمت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔آپس میں محبت اور الفت پیدا کریں۔افتراق سے دور رہیں۔گروہ بندی کو قریب نہ آنے دیں۔ہر جائز ضرورت میں ایک دوسرے کی مدد کریں۔ایک دوسرے کو سمجھانے اور محبت کے ساتھ تبادلہ خیال کرنے کی عادت بنائیں اور اُس عظیم الشان مقصد کو فوت نہ ہونے دیں جو حضرت امام حسین کی قربانی کا تھا کہ اسی میں ہماری زندگی ہے۔

☆☆☆☆

خطبہ جمعتہ المبارک

فرمودہ حضرت امیر ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

برموقع ''13 رمضان المبارک'' مورخہ 09-06-2017، بمقام جامع دارالسلام

ترجمہ: ''اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ میں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں پس چاہیے کہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہیے کہ مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔'' (سورۃ البقرہ:186)

پچھلے جمعہ کو میں نے اس آیت پر رمضان کا پہلا خطبہ دیا تھا اور چونکہ یہ مضمون وسیع ہے۔ اس لئے میں نے آج بھی اسی پر کچھ مزید خیالات اور تشریح کرنی ہے۔ پچھلے جمعہ کو میں نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ خدا تعالیٰ کی ہستی انسان کو دکھائی نہیں دیتی لیکن موجود ہستی ہے۔ گو ''الغیب'' ہے پر ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی مثال یوں دی کہ جیسے ہوا ہمیں دکھائی نہیں دیتی لیکن اس دنیا میں ہر جگہ موجود ہے۔ اور وہی ہماری زندگی کا سبب ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا وجود جو دکھائی نہیں دیتا مگر موجود ہے اور ہماری زندگی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ کی ہستی کا اندازہ تب ہوتا ہے جب انسان اس سے دعا کرتا ہے اور وہ قبولیت عطا فرماتا ہے چاہے وہ قبولیت اُس چیز کے ہوجانے سے یا اُس کا جواب مل جانے سے یا الہام کے طور پر، خواب کے طور پر، کشف کی صورت میں بتائی جانے سے اور پھر ویسے ہی پوری ہو جانے سے جیسے اللہ تعالیٰ نے غیب سے بتائی اور یہ چھوٹی سی آیت جو رمضان کے مضمون کے درمیان اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی۔ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ رمضان کے مہینے، رمضان کے متعلق احکامات والی سورۃ کے اندر اس کا آجانا محض اتفاق نہیں بلکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک بہت اہم پیغام دیا ہے اور اس رشتہ کی طرف توجہ دلائی جو انسان اور خدا کے درمیان ہوتا ہے اور وہ بڑھایا جاسکتا ہے یہاں تک کہ انسان اس مقام تک پہنچ جائے جہاں پر اللہ اس کی بات سنے اور اس کا جواب الہاماً انسان بھی سنے۔

حضرت مرزا غلام احمد صاحب مجدد زماں نے اللہ کی ہستی کا یقین صرف دعاؤں کی قبولیت اور ان کے جواب حاصل ہونے کے ذریعہ ہی بتایا ہے۔ اور اجیب دعوۃ الداع کی تشریح کرتے ہوئے حضرت صاحب نے فرمایا کہ ''پکارنے والے کی سنتا ہے اور اپنے الہام سے اس کی کامیابی کی بشارت دیتا ہے۔'' یہ ایک مقام ہے جس کو پانے کے لئے انسان کو بہت بڑی جستجو کرنی پڑتی ہے اور اس جستجو کے لئے رمضان اللہ تعالیٰ نے ہر سال ہمیں نصیب فرمایا ہے اور یہ ایسا مہینہ رکھا ہے جس کے اندر دعاؤں کی قبولیت کثرت سے ہوتی ہے، دعاؤں کے جواب ان لوگوں کو ملتے ہیں جو محنت کرتے ہیں۔ اس محنت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس طرح فرمایا ہے ''اور جو لوگ ہمارے لئے محنت اٹھاتے ہیں ہم یقیناً انہیں اپنے رستوں پر چلائیں گے۔'' عربی عبارت میں لفظ ''جہاد'' آیا ہے۔ وہی جہاد کبیر ہے جس کی طرف احادیث میں اشارہ ملتا ہے۔ یہ تلوار کا جہاد نہیں جو اپنے دفاع کے لئے کیا جاتا ہے اور نہ یہ وہ جہاد ہے جس میں آج کل بعض لوگ مبتلا ہو چکے ہیں اور اپنوں اور غیروں دونوں کو مارتے ہیں بلکہ وہ جہاد جو اپنے نفس کے خلاف ہو جب اس جہاد کی طرف انسان قدم اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے راستے پر چلاتا ہے اور اسے وہ توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ وہ پا جائے جو اس زندگی کا مقصد یعنی کہ عبدیت ہے۔

کسی نے ایک دفعہ یہ فقرہ کہا Life is based on four magic words لیکن اس کے آگے کچھ نہیں کہا اور پوچھنے کے باوجود بھی

نہیں بتایا یعنی کہ اس کی طرف سے یہ لفظ استعمال کرنے کے بعد کہا گیا کہ اس پر سوچ بچار کرو Magical Words وہ الفاظ ہیں جن میں ایسی غیر معمولی طاقت ہے جس کی بناء پر ساری انسان کی زندگی مبنی ہے۔ تو جب میرے کہنے کے باوجود اس طرف سے جواب نہ ملا کہ یہ کیا چار لفظ ہیں تو میں سوچ میں پڑ گیا اور میرا دھیان اس کی طرف مائل ہوا کہ یہ چار الفاظ اللہ کے وہ چار اسماء الحسنٰی ہیں جو اس نے سورۃ الفاتحہ میں بیان فرمائے ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو رب، رحمٰن، رحیم اور مالک یوم الدین کہا ہے۔ یہی چار الفاظ ہیں جن پر تمام انسان کی زندگی مبنی ہے کیونکہ اگر ربوبیت نہ ہوتی تو زندگی نہ شروع ہوتی اور نہ انجام تک جاتی اور اگر رحمانیت بھی نہ ہوتی تو زندگی بے مقصد ہوتی۔ رحمانیت کی وجہ سے زندگی کے وہ تمام سامان مہیا ہوئے جن سے زندگی ممکن ہے اور رحمانیت ہی کی وجہ سے انسان کو وہ تمام سہولتیں مہیا ہوئیں مثلاً ہدایت نامے، رسولوں کا آنا، کتابوں کا نازل ہونا۔ رحیمیت کی صفت نے انسان کی زندگی کو بامقصد بنایا کہ زندگی بغیر وجہ کے نہیں عطا ہوتی۔ جانوروں کی زندگی کا مقصد ان کی فطرت میں ڈال دیا، جو بے جان چیزیں ہیں مثلاً سیارے، چاند، سورج ان کو ان کے مقصد پر لگا دیا گیا اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے شعور بھی دے دیا اور اس کی ربوبیت بھی کی، رحمانیت کی وجہ سے اس کو وجود دیا، اس کو ہدایت بھی دی۔ رحیمیت کی وجہ سے اس کو ایک خاص قسم کی محنت کرنے کی ہدایت آئی اور پھر اس کے نتیجہ کے دن کے لئے اس نے اپنے آپ کو مالک یوم الدین فرمایا۔

خدا پوری طرح انسان کی ہدایت فرماتا ہے۔ انسان کے اندر اُس نے وہ جستجو رکھی ہے کہ وہ خدا کو تلاش کرے اور **واذا سالک عبادی** اسی تلاش کی طرف اشارہ ہے۔ جو انسان اس تلاش میں اپنی زندگی بسر نہیں کرتا اس کی زندگی جانوروں کی سی ہو جاتی ہے۔ ہم ہر نماز میں دعا کرتے ہیں اور سورۃ الفاتحہ کے بغیر کوئی نماز قبول ہی نہیں ہوتی کیونکہ اسی میں اس ہدایت کا ماننا ہے جس ہدایت کی خاطر انسان کا وجود ہوا۔ ہم بار بار **اھدنا الصراط المستقیم** کہتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ **صراط المستقیم** اللہ تعالیٰ کی عبادت سے ہی ممکن ہے۔ اس لئے ہم بار بار کہتے ہیں **ایاک نعبد** (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں) اور ہم جانتے ہیں کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم وہ عبادت کا حق ادا کر سکیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نہ آئے۔ اس لئے ہم ساتھ ساتھ **ایاک نستعین** کی دعا بھی مانگتے رہتے ہیں۔

اللہ کہاں ہے؟

جیسے میں نے پہلے کہا تھا کہ خدا تعالیٰ کا وجود ہمارے ارد گرد ہے۔ ایسے ہی جیسے ہوا کا وجود ہمارے ہر طرف ہے اور جیسے سمندر میں مچھلیوں وغیرہ کے ارد گرد پانی کا وجود ہے۔ سمندر کے اندر ایک زندہ چیز پائی جاتی ہے جس کو اسپنج (Sponge) کہتے ہیں اور ہم اکثر اپنے برتن وغیرہ اس سے دھوتے ہیں۔ یہ خشک ہو تو پانی میں ڈالنے سے پھیل جاتا ہے اور اس کے اندر پانی بھر جاتا ہے۔ ایک کہاوت مشہور ہے کہ ایک اسپنج کے بچے نے اپنی ماں سے پوچھا کہ سمندر کہاں ہے؟ تو ماں نے جواب دیا کہ بیٹا وہ تمہارے اندر بھی ہے اور تمہارے باہر بھی ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ کا وجود صرف آسمانوں اور بلندیوں پر نہیں بلکہ ہمارے ارد گرد ہے اور اگر ہم بھی اس اسپنج کی طرح اللہ کی رحمت کے پانی میں پوری طرح ڈوب جائیں تو وہ ہمارے وجود کا حصہ بن جاتا ہے۔ اگر ہم دور ہی سے ساحل کو دیکھتے رہیں تو ہم اس پانی میں داخل نہیں ہو سکتے، ہم اگر قریب آ کر اس کو چھوتے رہیں تو ہم پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے ہمیں بھی اس روحانی سمندر کے اندر اس اسپنج کی طرح اپنا وجود داخل کرنا پڑتا ہے اور اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے عبادت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد مانگنے سے ہم اس حالت کو پاتے ہیں اور اسی کے لئے ہم **ایاک نستعین** کی دعا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا **واستعینوا بالصبر والصلوۃ** ''مدد مانگو صبر اور نماز کے ساتھ۔'' صبر کا ایک نہایت عمدہ موقع جو اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے وہ رمضان شریف ہے۔ رمضان کا آنا، روزوں کا رکھنا صبر حاصل کرنے والی عبادت ہے۔ اور صلوۃ کا دوسرا نام نماز اور دعا ہے۔ اس مہینے میں روزے رکھنے کے ساتھ ساتھ دعا کا ہونا بھی ضروری ہے اور اسی لئے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ نے خاص منتخب

کردیا کہ ہم اس میں اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کی دعائیں بھی کریں اور عبادت بھی۔ چونکہ ہم کئی چیزوں سے جو ہمارے اور خدا کے درمیان پردے ہیں ان سے اس ماہ میں رُکے ہوئے ہوتے ہیں۔اس لئے زیادہ ممکن ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ توجہ دیں اور اس کی پوری مکمل توجہ پائیں۔

کیا دنیاوی دعائیں قبول ہوتی ہیں

تمام دعائیں اِس رنگ میں قبول ہوتی ہیں کہ جو ہم مانگ رہے ہوتے ہیں ویسے مل جائے یا اس سے بہتر مل جائے یا اس کے نہ ملنے میں ہی ہمارا فائدہ ہو۔وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ ہمارے لئے فائدہ مند ہیں یا نہیں۔ اگر اس دعا کے قبول ہونے سے کوئی مصیبت آسکتی ہے تو اللہ اس کو ٹال دیتا ہے۔اس کی مثال یوں ہے کہ ایک بچہ جو بجلی کی تار کی طرف لپک رہا ہوتا ہے یا پنکھے میں ہاتھ ڈالنے کے لئے جارہا ہوتا ہے تو سارے اس کو کھینچ کے پیچھے کی طرف ہٹارہے ہوتے ہیں۔کیونکہ یہ بچے کی سمجھ سے باہر ہوتا ہے اور بڑا سمجھتا ہے کہ اس میں نقصان ہے۔کوئی ماں اپنے بچے کو آگ کی طرف لپکنے نہیں دیتی چاہے وہ روئے۔لیکن جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے وہ سب کو دیتا ہے، جب ہم رحمت ، مغفرت ، توبہ مانگتے ہیں وہ سب دیتا ہے لیکن جب ہم دنیا کے فائدوں کے لئے مانگتے ہیں تو وہ فائدہ شاید ہمارے لئے فائدہ نہ ہوتا ہو اس لئے ہمیشہ وہ چیز ویسی کی ویسی نہیں ملتی۔

اللہ تعالیٰ کیسے تلاش ہو؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب**۔ اس میں **واذا** کے بعد **فانی** آتا ہے۔عربی کا قائدہ ہے کہ جب **واذا** اور **ف** کا ذکر اکٹھا آجائے اول الذکر چیز کا ملنا اُس چیز پر منحصر ہوتا ہے جو **ف** کے بعد آئے۔

اللہ کیسے تلاش ہو؟ وہ کیسے پایا جائے؟ یہ مشروط ہوگیا۔ہر کوئی دل سے کہتا ہے کہ مجھے اللہ مل جائے میں اللہ کے قریب ہوجاؤں لیکن کیا وہ شرطیں جو ساتھ اللہ نے بتائیں ان کی طرف انسان توجہ دے رہا ہوتا ہے یا نہیں اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ اللہ کی فرمانبرداری کرنا اور اس پر ایمان لانا۔**فلیستجیبوا لی والیومنوبی لعلھم یرشدون** اللہ کی فرمانبرداری کرو اس پر ایمان لاؤ اس کی تمام صلاحیتوں اور طاقتوں کو قبول کرو۔

حضرت صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کی شرط تقویٰ ہے اور خدا ترسی ہے یعنی یہ ایمان ضروری ہے کہ خدا موجود ہے اور وہ تمام طاقتیں رکھتا ہے۔جب یوں اپنے اوپر وہ حالت وارد کرنے کے بعد انسان دعا کرتا ہے یقین کے ساتھ تقویٰ کی حالت میں اور یہ جانتے ہوئے کہ خدا موجود ہے، بولنے والا ہے، جواب دینے والا ہے تو پھر خدا اس کو اپنی راہ دکھاتا ہے کیونکہ وہاں بغیر اس کی مزید ہدایت کے پہنچنا ممکن نہیں ہوتا۔ **لعلھم یرشدون** یقین سے مانگو گے تو سیدھا راستہ پاؤ گے، **اھدنا الصراط المستقیم** اگر روزانہ مانگتے ہو تو پاجاؤ گے اور اس راہ پر چل پڑو گے جو آپ مانگ رہے ہو **انعمت علیھم** یعنی **نبیوں** ،صدیقوں ،شہدا اور صالحین کی راہ۔یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس میں نبیوں کی راہ بھی ہے۔لیکن یہ دعا نبوت ملنے کی دعا نہیں ہے بلکہ اس راہ کی دعا ہے جس راہ پر وہ چلے اور اپنی قوم کو چلانے کے لئے آئے۔

(سورۃ النساء آیت نمبر 69)

صدیقین وہ ہوتے ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ کی سچائی کو ذاتی طور پر پالیا۔شہداء وہ ہوتے ہیں جنہوں نے اللہ کو پالیا اور پھر اس کی گواہی مخلوق خدا تک پہنچائی اور صالحین وہ ہیں جنہوں نے اپنا ہر عمل پاکیزہ رکھا اور گناہ کا تصور تک نہ کیا۔لیکن یہ راہ آسان نہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے وقت کی قسم اٹھاتے ہوئے سورۃ **العصر** میں فرمایا:

"زمانہ گواہ ہے کہ انسان نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں۔" **(سورۃ العصر آیت 1 تا 3)**

جہاں پر ایمان ہے وہاں پر عمل ہے اور پھر اس عمل کے ذریعہ دوسروں کو

خدا تعالیٰ کی راہ پر بلانا بھی شامل ہے اور اس کو پانے کے لئے اور اس کو پھیلانے کے لئے صبر بھی ضروری ہے۔ یہ تمام راہیں اختیار کرنی پڑتی ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ ہمارے سوال کا کہ ''وہ کہاں ہے'' کا جواب دے اور وہ کہے ''میں قریب ہوں'' وہ گھڑی بھی آئے جب ہم رب کہیں تو وہ عبادی کہے اور اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے آزمائشیں ضروری ہیں جہاں پر صبر اور صلوٰۃ کی تلقین ہے وہاں پر ان امتحانات کا بھی ذکر جن میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ''ولنبلو نکم بشیءٍ من الخوف والجوع و نقص من الاموال و الاانفس والثمرات وبشر الصبرین'' یعنی ''اور ضرور ہم کس قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمہارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دو۔'' (سورۃ البقرہ آیت 155)

اللہ تعالیٰ کا ہم پر احسان ہے کہ ہم اس جماعت میں شامل ہیں جہاں پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی زندہ ہستی ہے اور وہ ایسی ہستی ہے جس کو ہر کوئی محنت کے ساتھ پا سکتا ہے اور جس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی کہ واذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ اجیب دعوۃ الدعا۔ ہم نے تمام وہ چیزیں کرنی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کہیں کہ ہم کریں۔ ہم نے ایک مکمل فرمانبرداری کرنی ہے اور اس مکمل اطاعت ہی کو عبدیت کہتے ہیں اور اس پر پورا ایمان لانا اور صرف اسی کی عبادت کرنا اور اسی سے مدد مانگنا۔ یہ وہ تمام ذرائع ہیں جن سے خدا تعالیٰ انسان کو مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان خوش قسمت لوگوں میں سے بنائے جو اس کو پالیتے ہیں اور ہمیں اسی ماہ سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ ہمیں رمضان میں اپنا قرب عطا فرما۔ آمین

☆☆☆☆

گنجینۂ علم و حکمت

حضرت مسیح موعودؑ کے اقوال زریں

مبارک وہ جو اپنی کمزوریوں کا اقرار کر کے خدا سے رحم چاہتا ہے۔

نہایت شوخ اور شریر اور بدبخت وہ شخص ہے جو اپنے اعمال کو اپنی طاقتوں کا ثمرہ سمجھ کر خدا سے انصاف چاہتا ہے۔

خواب کا عالم موت کے عالم کی کیفیت سمجھنے کے لئے ایک آئینہ کے حکم میں ہے۔

توبہ اور مغفرت سے انکار کرنا درحقیقت انسانی ترقیات کے دروازے کو بند کرنا ہے۔

انسان کی عملی حالت سے بڑھ کر کوئی امر اس کے خالص ایمان پر گواہ نہیں ہو سکتا۔

اپنی حکمت اور دانائی کا دم مارنا جھوٹی دشمنی اور حماقت ہے۔

انسانی عقل اور معرفت کا سرچشمہ دل ہے۔

دنیا کو خدا نے شیش محل سے مثال دی ہے۔ جاہل انسان ان شیشوں کی پرستش کرتے ہیں اور دانا اس پوشیدہ طاقت کے پرستار ہیں۔

محبت نجات کی جڑ ہے اور یہی وہ بہشت ہے جس میں داخل ہونے کے بعد تمام کوفت اور تلخی اور رنج و عذاب دُور ہو جاتا ہے۔

گناہ کی رغبت کا جذام نہایت خطرناک جذام ہے اور یہ جذام کسی طرح دُور ہی نہیں ہو سکتا۔ جب تک خدا کی زندہ معرفت کی تجلیات اور اس کی ہیبت اور قدرت کے نشان بارش کی طرح وارد نہ ہوں۔

☆☆☆☆

ایک اقتباس

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

شہادت یکم محرم الحرام ۲۴ ہجری

انتخاب از: احمد مرتضیٰ (واعظ ملتان)

ابتدائی حالات

آنحضرت ﷺ کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔ عمرؓ نام اور فاروق لقب تھا۔ کنیت ابوحفص تھی۔ باپ کا نام خطاب اور ماں کا نام حنتمہ تھا۔ سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ عمر میں آنحضرت ﷺ سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ عدی قبیلہ قریش میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ سفارت کا کام اسی قبیلہ کے سپرد تھا۔ اور دوسرا منصب مقدمات میں ثالثی کا اُسے حاصل تھا۔ ابتدائی عمر میں ہی نسب دانی سپہ گری، پہلوانی اور تقریر کرنے میں کمال حاصل کیا۔ عکاظ کے مشہور دنگل میں جہاں اہل کمال کے جوہر دکھانے کے لئے میلہ لگتا تھا حضرت عمرؓ بھی کشتی لڑا کرتے تھے۔ تعلیم بھی حاصل کی۔ اور ان معدودے چند آدمیوں میں سے تھے جو آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ والد نے کچھ دنوں کے لئے اُن سے اونٹ چرانے کا کام بھی لیا۔ مگر ان کا اصل شغل تجارت تھا۔ اور اپنی معاملہ فہمی کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ یہاں تک کہ سفارت کے منصب پر انہی کو مامور کیا گیا۔ اور یوں اسلام سے پہلے قریش میں خاص عزّت اور شہرت رکھتے تھے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

ابولؤلؤ (فیروز) ایک ایرانی غلام تھا جو رومیوں کے ہاتھ میں پڑ کر عیسائی ہو گیا تھا۔ مغیرہ اس کو اپنے ساتھ عراق سے مدینہ لائے۔ یہاں اس نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ مغیرہ ان سے دو درہم روزانہ وصول کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے پیشہ نجاری کے لئے یہ رقم زیادہ نہیں۔ اس پر وہ ناراض ہو گیا۔ دوسرے دن عین اس وقت جب حضرت عمرؓ نے امامت کرانے کے لئے فجر کی نماز کی نیت باندھی۔ آگے بڑھ کر ان کو زخمی کیا۔ حضرت عمر نے عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی جگہ نماز پڑھانے کے لئے کھڑا کیا۔ قاتل نے کچھ اور لوگوں کو بھی زخمی کیا۔ اور آخر خودکشی کر لی۔ حضرت عمر نے نماز سے فارغ ہونے پر جب معلوم کیا کہ قاتل ایک غیر مسلم ہے تو کہا الحمدللہ کہ ایک مسلمان کے ہاتھ سے میں قتل نہیں ہوا۔ چونکہ انتڑیاں تک کٹ چکی تھیں اس لئے جانبری کی امید نہ رہی۔ پہلے حضرت عائشہ سے اجازت طلب کی کہ ان کے حجرہ میں آنحضرت ﷺ کے پہلو میں اُن کو دفن کیا جائے۔ پھر اپنے جانشین کے انتخاب کے لئے چھ سب سے برگزیدہ آدمیوں کو چُنا۔ یعنی حضرت عثمانؓ۔ علیؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ اور فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں سے جس کے متعلق ان چھ کی کثرت رائے ہو اسی کو خلیفہ بنایا جائے۔ پھر قرض کا حساب کرا کر فرمایا کہ میرے متروکہ سے یہ رقم ادا ہو۔ حضرت عمر ۲۶۔ ذوالحجہ ۲۳ ہجری کو زخمی ہوئے۔ تین دن بیمار رہے۔ اور یکم محرم ۲۴ ہجری کو اپنے دونوں ساتھیوں کے پہلو میں سو گئے۔ یعنی اسی حجرہ میں دفن ہوئے جس میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کی قبریں تھیں۔

اشاعت اسلام اور تعلیم قرآن

گو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اشاعت اسلام کے لئے کوئی خاص نظام قائم نہیں کیا گیا تھا۔ اور ضروریات ملکی نے مجبور کر دیا تھا کہ اوّل قوم کی حفاظت کا فکر کیا جائے۔ لیکن لڑائیوں تک میں بھی اس بات کو مدنظر رکھتے کہ صاحب علم لوگوں کو افسر مقرر کیا جائے تا کہ وہ ساتھ ساتھ اشاعت اسلام کا کام بھی کر سکیں۔ مسلمانوں کو حکم تھا کہ جہاں جائیں اسلام پیش کریں۔ جس سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے کہ وہ تلوار یا اسلام پیش کرتے تھے۔ وسعت سلطنت کے ساتھ البتہ یہ موقعہ نکل آتا تھا کہ ان قوموں کے سامنے اسلام پیش کیا جائے۔ اور اس کے ساتھ مسلمانوں کا عملی نمونہ ایسا تھا کہ بے اختیار دل اسلام کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ عرب کے شمالی حصہ اور شام کی اکثر عرب اقوام نے جو محض عیسائیت کی بادشاہت کی وجہ سے عیسائی تھیں نئے مذہب کی خوبیوں کو دیکھ کر فوراً اسلام قبول کر لیا۔ یہی حالت عراق کی اقوام کی تھی۔ ایران میں بھی کئی بڑے بڑے مجوسی رؤسا مسلمان ہو گئے۔ اور ان کے ساتھ ان کی رعایا میں بھی خاص تحریک اسلام کے لئے پیدا ہو گئی۔ مصر میں بھی اسلام کثرت سے پھیلتا چلا گیا۔ ہر ایک مسلمان کی سادگی۔ اخلاص۔ نیکی ایک واعظ کا کام دیتی تھی۔ اور لوگ گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہوتے تھے۔ بعض جگہ دو دو چار چار ہزار کی تعداد میں اکٹھے مسلمان ہو جاتے رہے۔ اور اسلامی افواج میں نومسلموں کی خاصی تعداد ہوتی تھی۔ فسطاط کا شہر جب آباد ہوا تو اس میں بعض محلوں کے محلے نومسلموں کے تھے۔ اور صرف یہی نہیں تھا کہ لوگ مسلمان ہوتے ہوں بلکہ ان کی تعلیم کا انتظام بھی ساتھ ساتھ ہوتا تھا۔ مفتوحہ علاقوں میں معلّم مقرر کر کے ان کی تنخواہیں خزانہ سرکاری سے ادا کی جاتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے خاص کارناموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معلّموں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ اور پھر بدووں تک کے لئے قرآن کریم کی تعلیم لازمی تھی اور ایک شخص کو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا کہ وہ قبائل میں دورہ کر کے امتحان لے۔ اور جو لوگ اس سلسلہ تعلیم سے فائدہ نہ اٹھاتے تھے انہیں سزا دے۔ پھر بعض بڑے بڑے صحابہ جیسے ابوایوبؓ، ابودرداءؓ عبادہؓ کو ملک شام میں بھیجا کہ وہاں مسلمانوں کی تعلیم قرآن کا انتظام کریں اور انہوں نے حمص دمشق۔ فلسطین میں ٹھہر کر وہاں کے لوگوں کی تعلیم کا انتظام کیا۔ فوجی لوگوں کو بھی خاص طور پر ہدایات دی جاتی تھیں کہ وہ قرآن شریف سیکھیں۔ چنانچہ یہ لوگ لڑائیاں بھی کرتے تھے اور قرآن شریف بھی پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ایک فوج میں کئی کئی سو حافظ قرآن شریف کے ہو گئے۔

نظام حکومت اور ترتیب دفاتر

فتوحات کے ساتھ ساتھ نظم و نسق ملکی کے کام میں بھی حضرت عمرؓ نے اپنی قابلیت کا کمال دکھایا۔ اگر صرف فتح کر کے ممالک کو چھوڑ دیتے تو دوسرے دن وہ ہاتھ سے نکل جاتے۔ مگر حضرت عمرؓ کا انتظام ایسا اعلیٰ درجہ کا تھا اور مفتوح قوموں کے ساتھ سلوک ایسا اچھا تھا کہ مفتوح علاقوں کے لوگوں میں پہلے سے زیادہ خوشحالی آ گئی۔ جوں جوں کوئی علاقہ فتح ہوتا تھا اس کے ساتھ ہی اس کے نظم و نسق کا پورا انتظام فرماتے تھے۔ ہر ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا۔ زمینوں کی پیائش کرائی۔ مردم شماریاں کرائیں۔ ہر قسم کے دفاتر قائم کئے۔ پولیس کا انتظام کیا۔ جیل خانے بنوائے۔ فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ نہریں کھدوائیں۔ شہر بسائے عدالتیں قائم کیں۔ بیت المال قائم کیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی سنہ ہجری بھی قائم ہوا جس سے تاریخ کی حفاظت میں مدد ملی۔

حضرت عمرؓ صحیح معنوں میں خلیفہ رسول تھے

یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اپنی عظیم الشان فتوحات ملکی کے باوجود اور اعلیٰ درجہ کے نظم و نسق کی قابلیت کے باوجود حضرت عمرؓ بادشاہ نہ تھے بلکہ صحیح معنوں میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ جس طرح آنحضرت ﷺ کی حالت میں بادشاہت نے ذرا بھر بھی فرق نہیں ڈالا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ باوجود ایک عظیم الشان شہنشاہ ہونے کے اور قیصر و کسریٰ کی دولت کے مالک ہونے کے اسی سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانہ عسرت میں۔ کھانا بالکل سادہ ہوتا تھا۔ بلکہ جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے روغن زیتون اور گوشت ترک کر دیا۔ لباس میں کئی کئی پیوند لگے ہوتے تھے۔ مال و دولت ان کی نگاہ میں ایک حقیر شے تھی۔ بلکہ اکثر کہا کرتے تھے کہ یہ مال و

دولت مسلمانوں کے لئے ابتلاء کا موجب نہ ہو جائے۔ کوئی خاص دارالامارۃ آپ نے نہیں بنوایا۔ سب کاروبار مسجد میں طے ہوتے تھے۔ وہیں مجلس شوریٰ بھی ہوتی تھی۔ وہیں فرش پر بیٹھ کر سفیروں اور دیگر معززین ایران و روم سے ملاقات بھی کر لیتے تھے۔ اسی طرح دوسروں کا کام کر دیتے تھے۔ جیسے آنحضرت ﷺ کے خصائل میں ہے۔ باہر سے آئے ہوئے خطوط خود گھروں میں جا کر دے آتے تھے۔ قوم کی امانت کا حق ادا کرنے میں اپنی ذمہ داری کا احساس اس قدر تھا کہ ہر وقت یہی فکر دامنگیر رہتا تھا کہ عنداللہ جوابدہی کرنی ہو گی۔ اور بڑی سے بڑی فتوحات پر کسی قسم کا تکبر نہیں کیا۔ چار ملکوں کے مالک تھے مگر زمین پر اس قدر حلیمی اور فروتنی سے چلتے تھے کہ جیسے عاجز سے عاجز انسان۔ بیت المال کی کسی چیز کو سوائے اس کے جو لوگوں نے مشورہ کر کے روزینہ مقرر کر دیا تھا اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دفعہ کسی خاص شکایت پر شہد کی ضرورت ہوئی تو جب تک مجلس شوریٰ نے اس کی منظوری نہیں دی بیت المال سے شہد بھی نہ لیا۔ حضرت سلمانؓ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے استفسار پر کہا کہ اگر آپ لوگوں سے کچھ ناحق وصول کرتے یا بیت المال سے بے جا خرچ کرتے ہیں تو آپ بادشاہ ہیں ورنہ خلیفہ۔ سو حضرت عمرؓ نے اس امانت کو کمال راستبازی سے ادا کر کے بتا دیا کہ آپ کہنے کو شہنشاہ تھے مگر آپ نے اپنا اصل منصب خلافت رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کچھ نہیں سمجھا۔ (تاریخ خلفائے راشدین)

مبارک باد

احباب جماعت کو یہ من کر دلی مسرت ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کے چھوٹے صاحبزادے ڈاکٹر عبید اللہ سعید صاحب کو بیٹی کی رحمت سے نوازا ہے۔ ادارہ پیغام صلح کی طرف سے ہم حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ، ڈاکٹر عبید اللہ سعید صاحب اور ان کے اہل خانہ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بچی کو صحت وتندرستی والی لمبی زندگی عطا فرمائے اور اس بچی کو نیک، صالحہ اور دین کی خادمہ بنائے۔ (آمین)

درخواست دعا

تمام احباب جماعت سے درخواست ہے کہ ذیل میں درج احباب جماعت بیمار ہیں۔ ان تمام احباب کی صحت کاملہ کے لئے دردِ دل سے دعا فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے ان عزیزوں کو اللہ مکمل صحت وتندرستی عطا فرمائے اور تمام احباب جماعت کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ آمین

ملک ناصر احمد صاحب (سانگلہ ہل)۔ عبدالسلام صاحب (لاہور)۔ ریحان (عزیز ملک بشیر اللہ خان راسخ، راولپنڈی)۔ ضیاء الرحمٰن صاحب (لاہور)۔ عقیل احمد صاحب (راولپنڈی)۔ ممتاز احمد باجوہ صاحب (شاہدرہ)۔ بشیر احمد ملہی (بدوملہی)۔ ثریا صاحبہ، ہمشیرہ عقیلہ اسلام صاحبہ (راولپنڈی)، صاحبزادہ سید لطیف صاحب (پشاور)۔ ساجد خان (پشاور) مشتاق احمد (وہاڑی)

حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی دورہ بلاد غیر سے واپسی

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت امیر قوم جناب ڈاکٹر عبدالکریم سعید پاشا صاحب گزشتہ دو ماہ سے یورپ اور دیگر ممالک کے تبلیغی و انتظامی دورہ کی غرض سے مصروف عمل تھے۔ بفضلِ خدا رواں ماہ آپ مرکز میں واپس تشریف لے آئے ہیں۔ مرکز میں موجود احباب جماعت نے حضرت امیر ایدہ اللہ تعالیٰ کی واپسی پر ان کا والہانہ استقبال کیا اور آپ کو کامیاب دورہ پر مبارک باد پیش کی۔ آپ کے استقبال میں شبان الاحمدیہ کے نوجوان پیش دست نظر آئے۔

☆☆☆☆

حضرت امام حسین علیہ السلام

کے لئے مجدد صد چہار دہم حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؒ کا نظرانہ عقیدت

''مومن وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے اعمال اُن کے ایمان پر گواہی دیتے ہیں۔ جن کے دل پر ایمان لکھا جاتا ہے۔ اور جو اپنے خدا اور اُس کی رضا کو ہر ایک چیز پر مقدم کر لیتے ہیں۔ اور تقویٰ کی باریک اور تنگ راہوں کو خدا کے لئے اختیار کرتے ہیں۔ اور اُس کی محبت میں محو ہو جاتے ہیں۔ اور ہر ایک چیز جو بت کی طرح خدا سے روکتی ہے خواہ وہ اخلاقی حالت ہو یا اعمال فاسقانہ ہوں۔ یا غفلت اور کسل ہو۔ سب سے اپنے تئیں دور تر لے جاتے ہیں۔ لیکن بدنصیب یزید کو یہ باتیں۔ کہاں حاصل تھیں۔ دُنیا کی محبت نے اُس کو اندھا کر دیا تھا۔ **مگر حسین رضی اللہ عنہٗ طاہر مطاہر تھا۔ اور بلاشبہ وہ اُن برگزیدوں میں سے ہے جن کو خدا تعالیٰ اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہے۔** اور اپنی محبت سے معمور کر دیتا ہے۔ اور بلاشبہ وہ سرداران بہشت میں ہے۔ اور ایک ذرہ کینہ رکھنا اُس سے موجب سلب ایمان ہے۔ اور اُس امام کی تقویٰ اور محبت الٰہی اور صبر و استقامت اور زہد و عبادت ہمارے لئے اُسوہ حسنہ ہے۔ اور ہم اُس معصوم کی ہدایت کے اقتداء کرنے والے ہیں جو اُس کو ملی تھی۔

تباہ ہو گیا وہ دل جو اُس کا دشمن ہے اور کامیاب ہو گیا وہ دل جو عملی رنگ میں اُس کی محبت ظاہر کرتا ہے اور اُس کے ایمان اور اخلاق اور شجاعت اور تقویٰ اور استقامت اور محبت الٰہی کے تمام نقوش انعکاسی طور پر کامل پیروی کے ساتھ اپنے اندر لیتا ہے۔ جیسا کہ ایک صاف آئینہ میں ایک خوبصورت انسان کا نقش یہ لوگ دنیا کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔ کون جانتا ہے اُن کا قدر مگر وہی جو اُن میں سے ہیں۔ دنیا کی آنکھ اُن کو شناخت نہیں کر سکتی۔ کیونکہ وہ دُنیا سے بہت دُور ہیں۔ یہی وجہ حسینؓ کی تھی۔ کیونکہ وہ شناخت نہیں کیا گیا۔ دنیا نے کس پاک اور برگزیدہ سے اُس کے زمانہ میں محبت کی تا حسینؓ سے بھی محبت کی جاتی۔ غرض یہ امر نہایت درجہ کی شقاوت اور بے ایمانی میں داخل ہے کہ حسین رضی اللہ عنہٗ کی تحقیر کی جائے۔ اور جو شخص حسینؓ یا کسی اور بزرگ کی جو آئمہ مطاہرین میں سے ہیں تحقیر کرتا ہے کوئی کلمہ استخفاف کا اُس کی نسبت اپنی زبان پر لاتا ہے۔ وہ اپنے ایمان کو ضائع کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ جل شانہٗ اُس شخص کا دشمن ہو جاتا ہے جو اُس کے برگزیدوں اور پیاروں کا دشمن ہے۔ (مجموعہ اشتہارات جلد سوم)

خبیث ہے وہ انسان جو اپنے نفس سے کاملوں اور راستبازوں پر زبان دراز کرتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی شخص حسینؓ یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستبازوں پر بدزبانی کر کے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور وعید من عادیٰ لی ولیاً دست بدست اُس کو پکڑ لیتا ہے۔ (اعجاز احمدی ص ۳)

میں اس اشتہار کے ذریعہ اپنی جماعت کو اطلاع دیتا ہوں کہ **یزید ایک ناپاک طبع دنیا کا کیڑا اور ظالم تھا۔** جن معنوں کی رو سے کسی کو مومن کہا جاتا ہے وہ معنیٰ اُس میں موجود نہ تھے مومن بننا کوئی سہل امر نہیں ہے۔ (اشتہار تبلیغ الحق ۱۸/اکتوبر ۱۹۰۵ء)

ہر ایک زمانہ میں خدا کے مقدس لوگوں کو تکلیفیں دی گئیں۔ دیکھو کیسے امام حسین کو چھوڑ کر ہزاروں نادان یزید کے ساتھ ہو گئے اور امام معصوم کو ہاتھ اور زبان سے دکھ دیا۔ آخر بجز قتل کے راضی نہ ہوئے۔'' (ایام الصلح)

شریعت کے مطابق جوارح اور لطائف ثلاثہ ظاہرہ کی تہذیب کا بیان

حضرت شاہ ولی اللہ کی کتاب الطاف القدس سے اقتباس

انتخاب از: احمد فراز (ملتان)

ان لطائف کی تہذیب اور تربیت کا پہلا مرتبہ طبیعت سے شریعت کی طرف خروج ہے اور اگر شریعت کی حقیقت کو سمجھنا چاہتے ہو تو خوب یاد رکھو کہ لوگ نفس امارہ کے اسیر تھے۔ شیطان پوری طرح اُن پر غالب ہو چکا تھا اور یہ اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اگر اسی طرح اسی حالت میں مر جائیں تو سارے کے سارے عذاب قبر اور یوم حساب کی سزاؤں میں مبتلا ہو جائیں اور چند لوگوں کے سوا اُن میں سے کوئی بھی نجات حاصل نہ کر سکے۔

چنانچہ زمین و آسمانوں کے منتظم حقیقی نے اس مشت خاک پر اپنی رحمت کاملہ کا نزول فرمایا اور اس کے لئے تدبیر کلی کا ایک حصہ عنایت کیا۔

بعض حالات میں تدبیر کلی تدبیر جزئی تک پہنچاتی ہے چنانچہ اس نے انسانوں میں سے ایک ہستی کو منتخب کر کے اس کے دل میں اُن انتہاء کے علوم کا فیضان کیا جن سے اسی عمومی بیماری کا علاج ہو سکتا ہے اور چار و نا چار اُسے اس بات پر تیار کیا کہ وہ یہ علم لوگوں کو سکھلا دے چاہے وہ اُسے پسند کریں یا نہ کریں اور لوگوں کو اس کا پابند بنائے۔ اس بیماری کے لئے جو علاج تجویز ہوا اُسے شریعت کہتے ہیں۔ اس علاج میں توجہ اس نوع کی صورت نوعیہ اور اُس کے کلی خواص (عام انسان) کی طرف ہوتی ہے۔ کسی ایک فرد کی خاص استعداد کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور اس علاج سے بنیادی مقصد یہ ہے کہ انسانیت دنیا میں ظلم، آخرت میں قبر اور حشر کے عذاب سے بچ جائے۔

واضح رہے کہ اس سے لطیفہ فناء و بقاء کا وصال یا بقاء مطلق اور تمکین تام کا حصول ہرگز مقصود نہیں ہے۔ خلاصۂ بشر علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیمات کی ذات گرامی سے جو بات بھی تمہیں پہنچے اس کا اصل عمل یہی ہے جو شخص اسے کسی دوسرے مراتب پر محمول کرتا ہے وہ حضور علیہ السلام کے اوامر و نواہی کے مقاصد و مسالح کو نہیں سمجھا۔ ہاں یہ بات علیحدہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے یہ پیارے مراتب ایک دوسری طرح سے ذکر فرمائے ہیں اور ان تمام کمالات کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور اس کی مثال اس طرح ہے کہ سورج خربوزے کو پکا دیتا ہے اگرچہ سورج کو اس بات کا علم نہیں کہ زمین میں خربوزہ بویا ہوا ہے اور نہ ہی خربوزہ یہ بات جانتا ہے کہ اس کی تکمیل آفتاب پر موقوف ہے یا موسم سرما گرما مزاج آدمی کو تر و تازہ بنا دیتا ہے اگرچہ ان میں سے ہر ایک ایک دوسرے کو پہچانتا ہے اور نہ اس کے احسان کا قائل ہے۔

اسی طرح وہ نفوس کلیہ کہ جنہیں مبداء فیض نے مصلحت کلیہ سے زمین پر اتارا ہے۔ نفوس ناقصہ کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہاں البتہ ان نفوس میں سے ذکی لوگ کسی نہ کسی طرح اس احسان کا عرفان حاصل کر لیتے ہیں اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس برزخ (یعنی حضور علیہ السلام کی ذات گرامی) کے کلمات اور فرمودات سے اشارہ و کنایہ کے طور پر ان اسرار و رموز کا استنباط کرتے ہیں۔

بہر طور جو بات میں نے اس برزخ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان اعتبارات سے اس قصد کے ساتھ جس طرح لوگ نقطہ قصد سے سمجھتے ہیں اور ہر لحظہ تجدّد اس کا خاصہ ہے۔ ان معانی کا ارادہ بھی نہیں فرمایا جیسا کہ آگ کا ارادہ اوپر کی طرف اور زمین کا ارادہ نیچے کی طرف ہوتا ہے۔ یہ الگ ہے چونکہ میرے دل میں یہ خیال پختہ طور پر ڈالا گیا ہے کہ میں قصد طبعی کو قصد متجدد سے متمایز کروں اور ہر باب میں صوفیاء کی تعبیرات کے تسامح سے جو خرابیاں پیدا ہوئی ہیں انہیں نظر انداز کر دوں۔ اس لئے ان باریکیوں میں اہل

بصیرت کے نزدیک میں معذور سمجھا جاؤں گا اور جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ اس پر نگران ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس تدبیر کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے اندر دو قوتیں ودیعت کردی گئی ہیں۔(۱): قوت ملکیہ (۲):قوت بہیمیہ

پھر ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ خواص ہیں۔ جو اس کی امداد کرتے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے کہ انسان خواص ملکیہ اختیار کرے تا کہ یہ قوت قوی تر ہوجائے اور قوت بہیمیہ قوت ملکیہ کے تابع اور اس کے رنگ میں رنگی جائے نہ یہ کہ قوت بہیمیہ اپنی طبیعت اور مزاج سے ہی نکل آئے یا قوت بہیمیہ قوت ملکیہ میں بدل کر قلب حقیقت اختیار کرے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چار خصلتوں کے بارے میں خاص طور پر آگاہ فرمایا ہے اور حفاظت کا حکم دیا ہے اور ان کی مخالف خصلتوں سے منع فرمایا ہے۔

اگر تم غور سے دیکھو تو بِرّ کی تمام قسمیں درحقیقت انہی چار خصلتوں کی تشریحات و تفصیلات پر مبنی ہیں اور اثم (گناہ) کی تمام تفصیلات ان چار خصلتوں کے اضداد پر مشتمل ہیں۔ یہ چار وہ خصائل ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ان کی دعوت دیتے اور انہیں اختیار کرنے کا حکم دیتے رہے ہیں۔ نہ یہ منسوخ ہوسکتی ہیں اور نہ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدل کی گنجائش ہے۔ شارع کا اختلاف ان کی ظاہری صورت میں ہے ان کی حقیقت و اصلیت میں کوئی اختلاف نہیں۔

دم بدم گر شود لباس بدل
مرد صاحب را چہ خلل

(اگر ہر لحظہ لباس بدلتا ہے تو اس سے صاحب لباس میں کیا نقص واقع ہوسکتا ہے)

ان چار خصلتوں میں سے پہلی طہارت ہے اس کے ذریعے انسان فرشتوں سے مناسبت پیدا کرتا ہے۔ دوسری خصلت عاجزی ہے اس کے سبب انسان ملاءِ اعلیٰ کے ساتھ مشابہت حاصل کرتا ہے۔ تیسری خصلت سخاوت ہے اس کے ذریعے ان خسیس بشری صفات جو انسان کو درندگی اور خواہشات نفس کی بنا پر دامن گیر ہوتے ہیں سے اپنی جان چھڑاتا ہے اور پاکیزگی و صفائی کی نعمت حاصل کرتا ہے۔ چوتھی خصلت عدالت ہے اور اس کے ذریعے انسان ملاءِ اعلیٰ کی رضاء مندی، ان کی موافقیت اور ان کی شفقت و رحمت حاصل کرتا ہے۔

شریعت کی تدبیر دو طرح سے انسانیت کی فلاح کے لئے سرگرم عمل ہے۔ ایک یہ کہ اچھے اعمال کے اکتساب اور بُرے اعمال جنہیں کبائر کہا جاتا ہے کے ترک سے انسان کی اصلاح اور ملت حقہ کے شعائر کا قائم کرنا۔ مگر یہ تینوں باتیں وقت اور حد کی پابند ہیں اور تمام مکلفین کے لئے ان کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے یہی ظاہری شرع ہے جسے اسلام بھی کہا جاتا ہے۔ دوسرے ان چار خصلتوں کے ذریعے نفوس کی تہذیب بِرّ کی مثالی صورتوں سے ان کے حقیقی انوار تک رسائی اور گناہ کی ظاہری صورتوں کے ساتھ ان کی معنوی صورتوں سے پرہیز یا وہ دوسری خرابیاں کہ جن کی نہی وارد ہوئی ہے کے ترک کا نام باطن شرع ہے اور اسی کو احسان کہتے ہیں۔

جب شریعت نے ان تدابیر کے ذریعے لوگوں کی تربیت کی اور چار و ناچار انہیں اس پر آمادہ کیا تو یہ سمجھنا چاہیے کہ لوگ ان اثرات کو قبول کرنے کے سلسلے میں فطری اور کسبی طور پر مختلف واقع ہوئے ہیں۔ یہ تین قسم کے افراد ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے:

''پھر یہ کتاب ہم نے ان لوگوں کو پہنچائی جن کو ہم نے تمام دنیا کے بندوں میں سے پسند فرمایا پھر بعض تو ان میں سے اپنی جانوں سے ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں سے متوسط درجے کے ہیں اور بعض اُن میں سے خدا کی توفیق سے نیکیوں سے ترقی کیے چلے جاتے ہیں'' (فاطر:32)

یعنی ہم نے امت محمدیہ علیہ السلام کو کتاب کا وارث بنایا ہے جو اپنی ہیئت اجتماعیہ میں تمام امتوں سے بہتر اور برگزیدہ ہے اس میں سے بعض نے تھوڑا اثر قبول کیا ہے اور بعض پورے طور پر متاثر ہوئے ہیں اور کچھ دوسرے درمیانی حالت میں ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب قوت ملکیہ قوت بہیمیہ کے متصادم

ہوتی ہے تو تین حالتوں میں سے باہر نہیں ہوتی یا قوت بہیمیہ غالب ہوگی اور قوت ملکیہ اس کی مغلوب ومقہور، خاص اوقات کے علاوہ قوت ملکیہ کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ ہی اپنی خاص صفات سے محفوظ ہوتی ہے۔

اس شخص پر اگر بُرے اعمال اور ضرر رساں افعال غالب ہوں گے تو اسے فاسق کہا جائے گا اور اگر اس میں ملکات سیئہ اور اخلاق فاسدہ قوی ہوں تو وہ عملی منافق ہے اور اگر قوت بہیمیہ اور قوت ملکیہ باہم تصادم ہوں اور قوت ملکیہ نے قوت بہیمیہ کا گلا مضبوطی سے دبا رکھا ہو لیکن ابھی تک قوت بہیمیہ کے ہاتھ پاؤں کھلے ہوں اور وہ اس سے نجات حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور قوت ملکیہ اس پکڑ دھکڑ سے فارغ ہے اور نہ اس کے مقابلے سے دست کش ہوئی ہے تو اسے ایسے شخص کو ''صاحب الیمین'' کہتے ہیں۔

اس صورت میں بعض بہیمی قوتوں کے باقی رہ جانے کا سبب ان دو باتوں میں سے ایک بات ہوگی۔ پہلی یہ کہ فطری طور پر قوت سبعیہ یا قوت عقلیہ کمزور واقع ہوئی ہے۔ اس کے باوجود وہ کثرت سے نیک عمل کرتا ہے۔ اس طرح ان نیک اعمال سے وہ نتیجہ اور فائدہ حاصل نہیں ہوتا جس کی ضرورت ہے۔ دوسری یہ کہ فطری طور پر یہ قوت صحیح پیدا ہوئی ہے لیکن اس نے نیک اعمال کی کثرت نہیں کی اور معاش وغیرہ میں کھو گیا ہے اور اگر قوت ملکیہ مظفر و منصور ہو کر قوت بہیمیہ کو اسیر بنا ڈالے اور اسے زنجیروں میں جکڑ لے یا مسلسل فاقوں سے اس کی خواہشات ختم کر دے تو ایسا شخص ''سابق اور ''مقرب'' کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس شخص میں دو باتیں ضروری ہیں:

سابق مذکور دونوں قوتیں اس میں صحیح طور پر پیدا کی گئی ہوں اور نیک اعمال کی بھی کثرت کرے تاکہ عقل عقائد حقہ کی تربیت اور شائستگی حاصل کر لے اور قوت عازمہ قلبیہ کو اپنی گرفت میں کر اپنا تابع بنا لے۔ اور یہ قوت عازمہ جسے ہم سبعیہ کا نام دیتے ہیں۔ نفس کو ضبط میں رکھے تاکہ انسان ہر طرح قرب بارگاہ کے لائق ہو۔

اس مبحث میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم تینوں اقسام میں سے ہر ایک کی علامات بیان کریں اور ان قاعدوں کی تفصیلات بتائیں جو شارع علیہ السلام نے ان تینوں شعبوں کی تہذیب اور ان تینوں قوتوں کے بارے میں ارشاد فرمائیں۔

اس کے بعد وہ تہذیب جو اصلاح سے عبارت ہے اور وہ تہذیب کہ جس کا حاصل جبلت کی تبدیلی ہے کہ درمیان امتیاز اور اُن میں وہ فرق جو شارع علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اور اللہ ہی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

ظاہری شریعت میں جسے اسلام بھی کہا جاتا ہے اور جس کا بیان اس آیت میں ہے:

''یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ آپ فرما دیجئے کہ تم ایمان تو نہیں لائے لیکن یوں کہو کہ ہم مخالفت چھوڑ کر مطیع ہو گئے'' (الحجرات: 14)

زیر بحث لطیفہ جوارح جس چیز کا اقرار ضروری ہے اس کا اقرار کرنا اور جس چیز پر عمل کرنا لازمی ہے اس پر عمل کرنا اس لطیفہ کی تحقیق یہ ہے کہ قلب نفس اور عقل اس حیثیت سے کہ جوارح کا قیام اُن سے وابستہ ہے اور افعال جوارح کی تکمیل کا آلہ اور جوارح میں فنا ہیں لطیفہ جوارح کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اسی لطیفے کی تفہیم کے لئے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) کو ایک اونٹ دکھایا گیا جو قریب المرگ تھا اور اس میں ایک معمولی سی رمق حیات کے علاوہ کچھ بھی باقی نہیں تھا اس کے تینوں لطائف ظاہرہ کمزور ہو گئے تھے لیکن شتربانوں نے ابھی تک اسے اونٹوں کی قطار میں باندھ رکھا تھا۔ اس میں چلنے کے علاوہ کچھ بھی طاقت نہیں تھی وہ روح نکلنے کے آخری وقت تک چلتا رہا اور اس کے بعد مر گیا۔ اس کا چلنے سے رُکنا عین وہی تھا جو اس کی موت تھی چنانچہ اس حال میں مجھے آگاہ کیا گیا کہ یہ اونٹ لطیفہ جوارح میں فانی تھا۔ اعمال شریعت کا مواخذہ بھی اسی لطیفے پر ہوتا ہے اور شریعت کے اندر بحث بھی لطیفے سے ہوتی ہے۔

الغرض شریعت میں فاسق کا علاج خارجی طور پر مقرر کیا گیا ہے ہر طرف سے اس کا گھیراؤ کیا گیا ہے تاکہ وہ مجبوراً اس برے کام سے باز رہے مثلاً پہلے پہل عورتوں اور مردوں میں پردے کا حکم دیا گیا اگر اس کی پابندی کی جائے تو

کسی قسم کی برائی پیدا نہیں ہوگی۔

اس کے بعد اسباب بدکاری مثلاً حسن نساء کے نظارے اور مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط کو قابل سزا جرم قرار دیا گیا پھر بدکاری پر ایک مقررہ سزا قائم کی گئی۔ اسی طرح شراب خانے، شراب بنانے اور بیچنے پر پابندی عائد کی گئی۔ پھر شراب پینے والے پر حد مقرر کی گئی۔ اسی طرح دوسری باتیں سمجھ لیجئے اگر خلافت کا نظام پورے طور پر رائج کیا جائے تو فسق کا نام بھی باقی نہ رہے جبکہ یہ بحث ہماری اس کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ اصولی طور پر منافق کی تین قسمیں ہیں:

پہلے وہ ہے کہ جس پر قوت طبیعہ اور نفس شہوانیہ نے غلبہ حاصل کرلیا ہے قلب وعقل اس کے تابع اور نفس سبعیہ اور نفس درّاکہ بھی اس کے ممد بن گئے ہوں۔ اس شخص کی کیفیت یہ ہے کہ یہ شریعت اور عقل کی اجازت اور منشاء کے خلاف جہاں چاہے گا جائے گا جو اس کے جی میں آئے گا وہ کرگزرے گا۔

مثلاً یہ شخص اپنی معشوقہ سے چمٹ جائے گا چاہے عقل وشرع اسے روک رہے ہوں اور رواج وسماج میں یہ بات باعث ننگ وعار ہو۔ یہ اپنے کام میں مصروف رہے گا اور کبھی یہ شخص شریعت کی کسی رخصت کو آڑ بنا کر لوگوں کی گرفت سے چھٹکارا حاصل کرتا ہے اپنے طور پر بھی اپنے فعل کے جواز کے لئے کوئی نہ کوئی عذر تلاش کرلیتا ہے پھر اس عذر کے ذریعے شریعت کے تقاضے کو جو خود دل میں اس کے کمزور ایمان کے برابر ضعیف ہے ٹالتا رہتا ہے۔ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ اپنے اس فرمان میں دھوکہ باز فرمایا ہے۔

''چالبازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ اللہ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں۔'' (النسا:142)

اور ان کے سینے تنگ کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: ''وہ لوگ دوہرا کیے دیتے ہیں اپنے سینوں کو'' (النساء:5)

کیونکہ اس مقام پر صدر سے مراد علوم صدر ہیں اور سینوں کو دوہرا کرنے سے مراد یہ ہے کہ حق کے خیال کو باطل نظریات سے چھپاتے ہیں اور اپنے علم کو جہالت میں تبدیل کرلیتے ہیں۔ کبھی یہ شخص اس مقام سے نیچے اترتا ہے۔ شریعت اسے تنبیہ کا کام نہیں دیتی اور وہ اسی ناقابل قبول عذر پر مطمئن ہو رہتا ہے بلکہ حق وباطل کی کش مکش تک اس کے سینے سے نکل جاتی ہے اور کبھی وہ اس درجے سے بھی نیچے آتا ہے کسی رخصت کی آڑ لیتا ہے۔ نہ شرعی حکم کی کوئی پرواہ کرتا ہے بلکہ اسے فراموش کردیتا ہے۔ بعض اوقات وہ اس مرتبے سے بھی تنزل میں آتا ہے یہاں وہ برائیوں اور گناہوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان میں اسے خوبیاں نظر آتی ہیں اس صورت میں گناہوں نے مکمل طور پر اسے گھیر رکھا ہوتا ہے۔

فرمان خداوندی ہے: ''اس کو اس کی خطا اور قصور اس طرح احاطہ کرے سو ایسے لوگ اہل دوزخ ہیں اور وہ اس راہ میں ہمیشہ رہیں گے'' (البقرہ:81)

تنزل کے انہی درجات میں انسان لذیذ طعاموں، نشہ آور اور خمار انگیز مشروبوں، گانے بجانے، شطرنج، کبوتر بازی، ریس کورس، آرام وآسائش، عمدہ لباس، منقش ومزین بنگلوں، خوش نما باغوں، بہترین سواریوں جو انسان اپنے دماغ میں تصور کرسکتا ہے کی طلب میں وارفتہ ہوجاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک سے نفس کی لذت اندوزی قلب کے اشتیاق اور عقل کی سعی وکاوش محتاج بیان نہیں۔ اس سے یہ بات بخوبی معلوم کی جاسکتی ہے کہ دل کس طرح ان امور کے ارتکاب پر رضامندی ان کے مخالف امور پر غصہ اور ناراضگی کا اظہار کرتا ہے اور کس طرح ہر اس چیز سے محبت جو ان ممنوعات تک پہنچاتی ہے اور جو ان سے باز رکھتی ہے اس سے نفرت کرتا ہے۔ پھر وہ سستی کی صورت میں مال صرف کرنے جسمانی طور پر اس کی خدمت کرنے اور نفرت کی صورت میں گالی گلوچ سے بڑھ کر مار پیٹ بلکہ قتل تک کو کچھ نہ سمجھنے اور طویل عرصے تک دل میں کینہ رکھنے کا اظہار ہوتا ہے پھر عقل کیسے کیسے بہانوں سے اس کی اچھی اور نفع مند صورتیں پیش کرتی ہے اور اس کی رکاوٹیں دفع کرنے کی کوشش کرتی ہے اور عقل ایسی چیزوں سے رخصت حاصل کرتی ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے لیے عذر رکھتی ہے اور یہ ساری صورتیں معمولی غوروفکر سے جانی جاسکتی ہیں۔

دوسری قسم کا منافق وہ ہے کہ جس کی قوت سبعیہ حد سے متجاوز اور نفس وعقل اس کے تابع ہوتے ہیں۔ایسا شخص ہمیشہ اپنے اقران واماثل پر غلبہ حاصل کرنے کی دھن میں رہتا ہے اور مخالفت کرنے والوں سے انتقام لینے پر آمادہ رہتا ہے۔ یہ شخص مدتوں اپنے دل میں کینہ رکھتا ہے اور مسلسل قتل کرنے، مار پیٹ یا مال و اسباب چھیننے یا اپنے دشمنوں کی توہین وتذلیل کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ جو اس کا مطیع ہوا سے سراہتا ہے اور جو اس کا ہم سر ہوا سے پاؤں تلے روندنا چاہتا ہے۔

معمولی باتوں پر بھڑک اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں ان نالائق لوگوں میں سے نہیں کہ کسی کی بات برداشت کرلوں! یا اپنی بے عزتی گوارا کرلوں۔

اس کا مسلک ''آگ کو شرم پر اختیار کر لینا'' ہوتا ہے طلب عزت اور اس راہ میں اپنے مشرب سے ہٹ جانے میں نفس اُس کا موافق اور عقل اس کی معاون ہوتی ہے۔

اپنے غصے کے نکالنے میں وہ ہر تکلیف گوارا کر لیتا ہے اور کینہ اور انتقام لینے کے سلسلے میں اس کے سامنے ہر منصوبہ اور پروگرام ہر وقت تیار ہوتا ہے یا ایسا شخص کسی قوم کی دوستی یا کسی خاص رسم ورواج کا اسیر ہے اور اس سلسلے میں وہ اپنی تمام تر کوششیں صرف کرتا ہے اور عقل وشریعت کی پابندی ورکاوٹ کو کوئی اہمیت نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ دوستوں سے وفاداری میرا دین اور اپنی وضع کی پابندی میرا آئین ہے۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو ہر روز نئے دوست بناتے اور ہر روز نئی وضع اختیار کرتے ہیں۔ جاہلوں کے خیال میں قوت سبعیہ والے قوت مردمی کے اوصاف سے متصف ہوتے ہیں اور ان کے نزدیک یہ قوت شہوانیہ والوں سے زیادہ بلند مرتبہ دکھائی دیتے ہیں۔

پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا

تیسری قسم کا منافق وہ ہے جس کی قوت درّاکہ منتشر ہوگئی ہو ایسا شخص یا تو صحیح المزاج عقل کا مالک ہوگا مگر تجسم (جسمانیت بازی) تشبیہ (مثال بازی)، شرک اور تعطیل (ذات باری کو معطل سمجھنا) ایسے شبہات میں حیران ودرماندہ ہوگا یا پھر قرآن مجید، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت، جزاء سزا کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہوگا۔ اگر چہ ابھی تک وہ دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوا ہو یا اس کی قوت درّاکہ پر بے فائدہ اور ظلمانی افکار غالب آگئے ہوں۔ جن کی بنا پر اس کے دل میں کوئی یقین بیٹھا ہے۔ نہ وہ کسی عزم کی تکمیل کرسکتا ہے اگر چہ ابھی تک اس کا دوسرا پہلو بھی پختہ نہیں ہوا یا وہ شعر وشاعری اور علوم ریاضی وغیرہ میں اس قدر منہمک ہوگیا ہے کہ شریعت میں غور وفکر کے لئے اس کی عقل میں گنجائش اور وسعت ہی نہیں ہے۔

الغرض اصولی طور پر منافقین کی تین قسمیں ہیں البتہ قلت وکثرت اور ایک جہت وکام کا ایک قسم سے ہونا اور دوسری جہت وکام سے دوسری قسم میں اس کی شمولیت کے اعتبار سے ان کی کئی اقسام بن جاتی ہیں۔

جن کا شمار عقل کی طاقت سے باہر ہے اور شارع نے جو منافقین کے لئے علاج تجویز کیا ہے وہ یہ نفس شہوانیہ پر نفس سبعیہ کو غالب کیا جائے اور جو اعمال اس کے مؤید ہوں اس عمل میں انہیں ساتھ شامل کیا جائے۔ پس اس کے لئے لازمی ہے کہ معبود برحق کا اثبات کرے۔ اسے رسولوں کا مُرسل، کتابوں کا منزل حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننے والا، لوگوں کا ان کے اعمال پر جزا دینے والا اور ہر ظاہر ومخفی چیز کا جاننے والا سمجھے۔

اسے اللہ نے تذکیر بالآء اللہ، تذکیر بایّام اللہ اور موت اور اس کے بعد کے واقعات سے مضبوط ومستحکم کیا ہے۔

اس اعتقاد سے نماز روزہ وغیرہ ایسے جو بھی اعمال صادر نہیں ہوں گے۔ اسے ان کے ساتھ مربوط کردیا ہے تاکہ جس وقت عقل کو ان امور پر یقین حاصل ہوجائے تو نفس سبعیہ کی طبیعت اصلاح پذیر ہوجائے گی۔ اسے ثواب کی امید اور عذاب سے خوف پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے شعائر سے محبت ہوگی، فطری طور پر نفس میں جو زور اور جوش ہے وہ اسی امید اور خوف اور محبت الٰہی میں صرف ہوگا۔

اس طرح قوت بہیمیہ مغلوب ہوکر اپنے افعال سے باز رہے گی۔ اللہ

تعالیٰ نے عقل پر خصوصی مہربانی فرمائی ہے کہ اس کے ساتھ اس کی فطرت و جبلت کے مطابق خطاب فرمایا ہے اور اپنی صفات کے سمجھنے میں اس کی باگ ڈھیلی کردی ہے اور اس کے شکوک وشبہات رفع کر دیئے ہیں نیز اس نے اپنے لطف وعنایات سے عقل کو سبعیہ پر اس طرح غلبہ عطا فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ سبعی جبلت کے مطابق معاملہ کیا۔

بایں طور پر کہ اس نے امید ثواب، خوف عذاب اور محبت منعم کی راہ دکھائی، صفات سبعیہ میں سے صرف انہی صفات کو منتخب فرما کر انہیں آخرت کے بارے میں صرف کیا پھر اس نے کمال مہربانی سے قوت سبعیہ کو قوت بہیمیہ پر مسلط کر دیا اور قوت بہیمیہ کے پسندیدہ امور آخرت کے حوالے کر دیئے، گویا جو چیز فوری مطلوب تھی اسے دیر سے حاصل ہونے والے منافع پر فروخت کر دیا۔

حاصل کلام یہ کہ علاج فطرت سلیمہ کے ساتھ مشابہت پیدا کرنا ہے۔ یہاں وہ مثال صادق آتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صناعت طبیعت کی اقتداء کا نام ہے لہذا جسمانی طب طبیعت بدن کے اقتداء اور روحانی طب قوی اور سلیم نفس کی جبلت کی پیروی کا نام ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر نوع کے افراد باہم دگر مختلف ہوتے ہیں، بعض صورت نوعیہ کا مظہر کامل ہوتے ہیں، بعض مادہ میں نقص کی وجہ سے آثار نوع پوری طرح قبول نہیں کر پاتے اور بعض میں احکام نوع کے خلاف ایک ہیئت پیدا ہو جاتی ہے مثلاً انسان کی صورت نوعیہ کا تقاضہ ہے کہ ہر مرد میں غلبہ خواہشات اور غصہ وجرات کے اوصاف پورے طور پر پائے جائیں۔

چنانچہ بعض افراد میں تو یہ چیزیں پورے طور پر پائی جاتی ہیں اور بعض میں کم درجے اور کچھ دوسرے لوگوں میں مادہ کے بگاڑ کی وجہ سے غصہ اور بہت زیادہ بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس طرح نفس انسانی کے مزاج کا تقاضا ہے کہ عقل، نفس سبعیہ پر اور نفس سبعیہ نفس شہویہ پر غالب ہو، عقل کی مثال اس گھڑ سوار شکاری کی ہے جس نے اپنے پیچھے چیتا بٹھا رکھا ہو۔ اس صورت میں طبعی تقاضا کے مطابق مرد چیتے پر اور چیتا اپنے شکار پر غالب ہوگا۔ پس انسان کی طبع سلیم ہی کی موافقت ہی کا نام شریعت ہے۔ چنانچہ اس حدیث میں اس کی پوری طرح وضاحت کی گئی ہے۔ ''ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے اپنے مذہب کے مطابق یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے جانور کا ہر بچہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے۔ کیا کبھی تازہ پیدا ہونے والے بچھڑے کے تم نے ناک کان کٹے دیکھے ہیں۔''

اگر عقل نفسی سبعی پر اور نفس سبعی قوت بہیمیہ پر غلبہ حاصل کر لے تو اس سے انسانی اعتدال پیدا ہوتا ہے اور قوت بہیمی کے لئے ایک مصرف مقرر ہو جاتا ہے تا کہ اس مصرف میں کھانے پینے، لباس مکان اور نکاح وغیرہ میں سے جو چیزیں ضروری ہیں انہیں اس طرح استعمال کرے کہ عقل کی مخالفت ہو اور نہ قوت سبعیہ کی مزاحمت پیش آئے اور تقائے مزاحمت سے بھی باز رہے۔

اور قوت بہیمیہ کی اصلاح ہے پھر قوت سبعیہ کو وسعت دیتے ہیں تا کہ وہ دونوں کاموں میں مشغول ہو ایک یہ کہ معاش کے سلسلے میں اس طرح اعتدال اختیار کرے کہ نہ عقل کی نافرمانی ہو اور نہ ہی قوت بہیمیہ پراگندہ ہو۔ دوسرے اپنے پروردگار کے ساتھ محبت، وفاداری اور خوف ورجاء کا سلسلہ استوار رکھے۔ اس طرح عقل بھی انہی دو امور کی تکمیل میں اپنی سعی اور کوشش دکھائے اور قوت بہیمیہ کو قوت سبعیہ اور عقل کے تابع بنانے کے لئے صیام اور کفارات کی ورزش مقرر کی گئی ہے تا کہ عقل اور قوت سبعیہ مشترک طور پر کام کا تقاضا کریں اور چار وناچار بہیمیہ کو اس پر عمل پیرا ہونے پر مجبور کریں۔ پھر قوت سبعیہ کی تہذیب وتربیت کے لئے دائمی عبودیت اور ابدی سخاوت کی راہ متعین کی۔ الغرض اس تہذیب سے تربیت حاصل کرنے والوں کی بھی اصولی طور پر تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم ان لوگوں کی ہے جن کا لطیفہ قلبیہ زیادہ مہذب اور شائستہ ہے یہی وہ لوگ ہیں جو صدیق، شہید اور عابد کہلاتے ہیں اللہ اور رسول کے ساتھ دوستی اور دائمی عبودیت کا اُن پر غلبہ ہوتا ہے اور یہ لوگ اپنی قوت غضبیہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ جہاد میں صرف کرتے ہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا لطیفہ شہوانی زیادہ شائستہ ہوتا ہے یہ زُہاد

کہلاتے ہیں۔فانی خواہشات سے کنارہ کشی ان پر غالب ہوتی ہے۔تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کا لطیفہ عقلیہ زیادہ قوی ہے انہیں ''راسخین فی العلم'' کہا جاتا ہے اور وہ گروہ جو پوری تہذیب و تربیت تو حاصل نہیں کر سکا البتہ اس نے نفاق کی برائی سے کسی قدر گلو خلاصی کرالی ہے ''اصحاب الیمین'' کے نام سے موسوم ہوتا ہے۔تہذیب و تربیت کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام خاصی طوالت کی متقاضی ہیں مگر یہ اس کتاب کا موضوع نہیں۔

حضور علیہ السلام نے منافقین، مقربین اور اصحاب الیمین کی علامات و نشانیاں پوری طرح بیان فرمائی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

جس شخص میں تین باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے:

(۱): جب کسی سے عہد کرے تو وعدہ شکنی کرے۔

(۲): اگر کسی سے جھگڑے تو فحش کلامی کرے۔

(۳): اگر اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کا مرتکب ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تینوں فریقوں کی علامات پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور جاہلوں نے اس طبِ روحانی میں جو چیزیں غلط ملط کر دی تھیں انہیں الگ کر دیا ہے۔اسی وجہ سے ''صوم وصال'' اور متواتر روزوں سے منع فرما دیا اسی طرح ترک سحور کو مکروہ اور ترک دنیا کو برائی اور قباحت قرار دیا تا کہ اس سے اعتدال مزاج اور طبیعت سلیمہ کے ساتھ صناعت کی موافقت جو طب روحانی کی کسوٹی ہے ہاتھ سے نہ جائے۔(ذالک تقدیر العزیز العلیم)

☆☆☆☆

اپیل دستکاری

ہر سال مرکز میں تنظیم خواتین کے زیر اہتمام نہایت خوبصورت دستکاری کی نمائش کی جاتی ہے۔ان اشیاء کی فروخت سے ملنی والی رقم دینی اور فلاحی کاموں پر خرچ کی جاتی ہے۔

گذشتہ سال دستکاری کی نمائش میں رکھی گئی اشیاء بہت خوبصورت اور بیش قیمت تھیں۔اس وجہ سے نمائش نہایت کامیاب اور قابل تحسین رہی۔یہ لائق فخر کامیابی صرف احمدی بہنوں اور بچیوں کے تعاون اور محنت سے ممکن ہوئی۔

اُمید ہے کہ آپ یہ اشیاء بنانے میں مصروف ہوں گی۔اور ہمیشہ کی طرح جماعت احمدیہ لاہور کے عظیم الشان دینی جہاد میں آپ بھی شامل ہوں گی۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ دستکاری کی نمائش کو گذشتہ سال سے بڑھ چڑھ کر کامیاب بنائیں۔اس میں خود بھی حصہ لیں اور دوسری بہنوں کو بھی ترغیب دلائیں۔

شکریہ

آپ کے تعاون کی منتظر

بشریٰ علوی

انچارج دستکاری خواتین

چھوڑو غرور و کبر، کہ تقویٰ اسی میں ہے

جسارت خانم

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اور لوگوں سے بے رخی نہ کر اور نہ زمین میں تکبر سے چل۔ اللہ کسی خود پسند شیخی خورہ کو پسند نہیں کرتا۔''

(سورۃ لقمان آیت نمبر 18)

تکبر کے معنی غلط طور پر اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا۔ کبر اللہ کی صفت ہے اور اُسی کا اسم ہے۔ کبریائی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ اس لئے جو تکبر کرتا ہے وہ خود کو خدا کی عظمتوں کا شریک ٹھہراتا ہے اور شرک جیسے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے۔ تکبر عجز اور انکساری کی ضد ہے جبکہ عجز اور انکساری خدا تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلعم کو محبوب ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایک اکمل ترین انسان ہونے کے ناطے اگر خدا کے بعد کبریائی کا حق پہنچتا ہے تو وہ آنحضرت صلعم ہیں لیکن آپ تو عاجزی اور انکساری کا پیکر تھے۔ تمام اخلاق حسنہ سے آپ کا وجود منور تھا اور کبر آپ کے قریب کیا دُور دُور سے بھی نہیں گزرا تھا۔ اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کی شخصیت میں کبر تمام اخلاق حسنہ کی ضد اور تمام اخلاقِ سیہ کی آخری حد ہے۔ آنحضرت صلعم کو تکبر سے نفرت اور عاجزی تواضع اور انکساری سے محبت تھی۔ آپ صلعم کی اپنی ذات عاجزی اور انکساری کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔

آپ صلعم نے اپنے ماننے والوں کو بھی تکبر سے بچنے اور عاجزی انکساری اختیار کرنے کی نصیحت فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا ہے کہ: ''تین امور وہ ہیں جو تمام گناہوں کی جڑ ہیں پس ان تینوں سے بچو اور ہوشیار رہو۔ تکبر سے بچو کیونکہ ابلیس کو تکبر ہی نے اس بات کو ابھارا کہ اس نے حضرت آدمؑ کی فرمانبرداری سے انکار کر دیا اور حرص سے بچو کیونکہ یہ حرص اور لالچ ہی تھا جس نے آدمؑ کو درخت ممنونہ کا پھل کھانے پر اکسایا اور حسد سے بچو کیونکہ حضرت آدمؑ کے دو بیٹوں میں سے ایک کو حسد نے ہی اس بات پر آمادہ کیا کہ اس نے اپنے ساتھی کو قتل کر دیا''

(مسلم کتاب البر والصلہ)

اسی طرح آپ صلعم نے فرمایا: ''جس شخص کے دل میں ذرا بھر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا'' (مشکوۃ کتاب الادب)

آنحضرت صلعم نے حضرت معاذؓ کو ایک نصیحت کی اور فرمایا:

''اے معاذ! میں تجھے ایک بات بتاتا ہوں اگر تو نے اسے یاد رکھا تو یہ تمہیں نفع پہنچائے گی اور اگر اسے بھول گئے تو تم خدا کا فضل حاصل نہیں کر سکو گے۔ (یہ وصیت بہت لمبی ہے اس لئے اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔ آپ نے فرمایا) اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پہلے سات دربان فرشتوں کو پیدا کیا۔ اور ان میں سے ایک ایک فرشتے کو ہر آسمان پر بطور دربان کے مقرر کر دیا۔ ان کی ڈیوٹی تھی کہ تم اپنی اپنی جگہ پر رہو اور صرف اُن لوگوں کے اعمال کو یہاں سے گزرنے دو جن کے گزرنے کی ہم اجازت دیں۔ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ وہ فرشتے جو انسان کے اعمال کا روزنامچہ لکھتے ہیں خدا کے بندے کے اعمال لے کر جو اس نے صبح سے شام تک کئے تھے آسمان کی طرف بلند ہوئے اور ان اعمال کو ان فرشتوں نے بھی پاکیزہ سمجھا۔ لیکن جب وہ اعمال لے کر پہلے آسمان پر پہنچے تو انہوں نے دربان فرشتے سے کہا کہ ہم خدا تعالیٰ کے حضور ایک بندے کے اعمال پیش کرنے آئے ہیں۔ یہ اعمال بہت پاکیزہ ہیں۔ تو اس فرشتے نے انہیں کہا ٹھہر جاؤ تمہیں آگے جانے کی اجازت نہیں۔ تم واپس لوٹو اور جس شخص کے یہ اعمال ہیں انہیں اس کے منہ پر مارو۔ خدا تعالیٰ نے مجھے یہ ہدایت کی ہے کہ میں کسی غیبت کرنے والے کے اعمال کو اس دروازے سے نہ گزرنے دوں اور یہ شخص جس کے اعمال تم خدا کے حضور پیش کرنے آئے ہو وہ ہر وقت غیبت کرتا تھا۔ پھر ایک اور گروہ فرشتوں کا

ایک اور بندہ کے اچھے اعمال لے کر جن میں غیبت نہ تھی آسمانوں کی طرف سے آئے اور پہلے آسمان سے گزر گئے لیکن دوسرے آسمان کے دربان نے انہیں روک لیا اور کہا واپس جاؤ یہ اعمال اس بندے کے منہ پر مارو۔ میں فخر ومباہات کا فرشتہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے مقرر کیا ہے کہ کسی کے عمل کو جس میں فخر ومباہات شامل ہوں نہ گزرنے دوں۔ اسی طرح ایک تیسرا فرشتہ کا گروہ آسمانوں کی طرف بڑھا اور جب دو دروازوں سے گزر کر تیسرے پر پہنچا تو وہاں کے داروغہ نے یہ کہہ کر واپس موڑ دیا کہ اس کے اعمال میں تکبر شامل ہے۔ انہیں لے جا کر اس کے منہ پر مارو۔ چوتھے گروہ نے جس بندے کے اعمال اٹھائے وہ بہت اعلیٰ تھے اور ان میں غیبت اور فخر ومباہات اور تکبر جیسی کوئی برائی نہیں تھی لیکن دربان فرشتے نے انہیں بھی واپس موڑ دیا کہ ان اعمال میں چونکہ خود پسندی شامل ہے۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق میں انہیں آگے لے جانے نہیں دوں گا۔ پانچویں بندے کے اعمال جو بظاہر بہت اعلیٰ تھے۔ نگران فرشتے نے اسے بھی واپس موڑ دیا کہ ان میں حسد شامل ہے۔ چھٹے آسمان سے بھی دربان فرشتے نے ایک اور بندے کے اعمال یہ کہہ کر واپس موڑ دیئے کہ وہ شخص خدا کے بندوں پر رحم نہیں کرتا تھا۔ ساتواں گروہ جس بندے کے اعمال لے کر آیا ان میں نیکیاں ہی نیکیاں تھیں۔ لیکن ساتویں دربان فرشتے نے کہا کہ ٹھہرو واپس جاؤ اور یہ اعمال اس شخص کے منہ پر مارو اور اس کے دل پر تالا لگا دو۔ کیونکہ اس کے اعمال خدا کی رضا کی خاطر نہیں بلکہ محض دکھاوے کے لئے ہیں۔ وہ میرے علاوہ کسی اور کو خوش کرنا چاہتا تھا۔ اس پر میری لعنت ہے۔

حضرت معاذؓ نے اس نصیحت کو سنا تو کانپ اٹھے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول پھر ہماری نجات کیسے ہوگی۔ آپؐ نے کہا تم میری سنت پر عمل کرو اور اس بات پر یقین رکھ کہ خدا تعالیٰ کا ایک بندہ خواہ کتنے ہی اچھے عمل کر رہا ہو اس میں ضرور کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں۔ اس لئے تم اپنے اعمال پر ناز نہ کرو۔ اپنی زبان کی حفاظت کرو۔ اس سے کسی کو دُکھ نہ پہنچاؤ۔ اپنے آپ کو دوسروں سے زیادہ پرہیزگار نہ سمجھو اور نہ اپنی پرہیزگاری کا اعلان کرو۔ لوگوں سے فتنہ پیدا کرنے اور انہیں پھاڑنے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے عمل ریاء کے طور پر دنیا کے سامنے پیش نہ کرو۔

اس نصیحت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ سب برائیوں کی جڑ اصل میں کبر ہی ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اپنے آقا اور مطاع حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی نصیحتوں کی روشنی میں مختلف جگہ پر تکبر کے متعلق فرمایا چند حوالا جات پیش خدمت ہیں:

''میں سچ سچ کہتا ہوں کہ قیامت کے دن شرک کے بعد تکبر جیسی اور کوئی بلا نہیں۔ یہ ایک ایسی بلا ہے جو دونوں جہانوں میں انسان کو رسوا کرتی ہے۔ خدا تعالیٰ کا رحم ہر ایک مؤحد کا تدارک کرتا ہے مگر متکبر کا نہیں۔ شیطان بھی مؤحد ہونے کا دم مارتا ہے مگر چونکہ اس کے سر میں تکبر تھا اور آدمؑ کو جو خدا تعالیٰ کی نظر میں پیارا تھا جب اس نے توہین کی نظر سے دیکھا اور اس کی نکتہ چینی کی اس لئے وہ مارا گیا اور طوق لعنت اس کی گردن میں ڈالا گیا سو پہلا گناہ جس سے ایک شخص ہمیشہ کے لئے ہلاک ہوا تکبر ہی تھا۔ (آئینہ کمالات اسلام)

اسی طرح آپؑ اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں اپنی جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ تکبر سے بچو کیونکہ تکبر ہمارے خداوند ذوالجلال کی آنکھوں میں سخت مکروہ ہے۔۔۔ سو تم اے عزیزو! ان تمام باتوں کو یاد رکھو ایسا نہ ہو کہ تم کسی پہلو سے خدا کی نظر میں متکبر ٹھہر جاؤ اور تم کو خبر نہ ہو۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کے غلط لفظ کی تکبر کے ساتھ تصحیح کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک شخص جو اپنے بھائی کی بات کو تواضع سے نہیں سننا چاہتا اور منہ پھیر لیتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔ ایک غریب بھائی جو اس کے پاس بیٹھا ہے اور وہ کراہت کرتا ہے اس نے بھی تکبر سے حصہ لیا ہے۔۔۔ سو کوشش کرو کہ کوئی حصہ تکبر کا تم میں نہ ہو تا کہ ہلاک نہ ہو جاؤ اور تا تم اپنے اہل وعیال سمیت نجات پاؤ۔'' (نزول المسیح)

آخر میں اپنا موضوع حضرت مسیح موعودؑ کے چند اشعار پر ختم کرتی ہوں:

بدتر بنو ہر ایک سے اپنے خیال میں
شاید اسی سے دخل ہو دارالوصال میں
چھوڑ و غرور و کبر، کہ تقویٰ اسی میں ہے
ہو جاؤ خاک، مرضئ مولیٰ اس میں ہے

اُسوۂ ابراہیمی میں ایثار و قربانی کا عظیم الشان سبق

فضل حق (اسسٹنٹ سیکرٹری II)

خطبہ عید الاضحیٰ مورخہ 2 ستمبر 2017ء بمقام جامع دار السلام لاہور

ترجمہ:''اور ہر قوم کے لئے ہم نے قربانی مقرر کی ہے تا کہ اللہ کا نام اس پر یاد کریں جو اس نے انہیں چار پائے جانوروں سے دیئے۔'' (الحج 34)

عید الاضحیٰ اسلام کی دوسری عید ہے جو سنت ابراہیمی کے عظیم الشان تاریخی واقعے کی یاد دلاتی ہے۔ جس میں ایک طرف ابراہیم خلیل اللہ کی محبت الٰہی میں قربانی کے تقاضوں کا علم ہوتا ہے تو دوسری جانب اسماعیل ذبیح اللہ کے والدین کی فرمانبرداری میں ایثار و قربانی کا بے مثال سبق ملتا ہے۔ سنت ابراہیمی کے اس تاریخ ساز عمل کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت مؤکدہ کے ذریعے اپنی امت کے لئے دائمی رضاء الٰہی کا ذریعہ بنایا۔ ذبح عظیم کی یادگار کے طور پر آج کے دن سارے عالم اسلام میں کروڑوں جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور فرزندان توحید قربانی کے ذریعے ایک تو اس عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ راہ حق میں اگر مال کی طرح جان بھی دینا پڑے تو اسوۂ ابراہیمی کی پیروی میں اس سے دریغ نہ کریں گے۔ دوسرا قربانی میں ایک بڑی حکمت یہ بھی ہے کہ ہم قربانی کریں تو اللہ کی عزمت کا خیال پیدا ہو اور دلوں میں عاجزی و انکساری پیدا ہو جائے۔

اسلام سے قبل دوسری قوموں میں بھی قربانی کے رواج کے شواہد ملتے ہیں لیکن وہ بتوں اور اپنے دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے ان کے نام پر جانور قربان کرتے تھے۔ اسلام نے اس مشرکانہ صورت کو تبدیل کر کے ایسے انداز توحید و عشق پر قربانی کی بنیاد قائم کی جو دنیا کے لئے فلسفہ محبت بن گئی اور عالم انسانیت کو فدا کاری کے ایک عظیم الشان واقعہ کی یاد دلاتی ہے۔

ہر سال ہمارے درمیان عید قربان کے تاریخی ایام آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ لیکن ہم میں سے آج بہت ہی کم لوگ ایسے ہیں جو اس بات کی ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ اس کی حقیقت کو جانیں اور سمجھیں کہ اس میں ایسی کون سی خصوصیات ہیں کہ اس دن کو قیامت تک کے لئے یادگار قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابراہیم کا ایثار و قربانی اور حصول رضائے الٰہی کا جذبہ ہی تھا جس کی بنیاد پر ابراہیم علیہ السلام نے گھر، وطن، دولت تو چھوڑی ہی بادشاہ وقت سے بھی بغاوت کی۔ پھر اللہ کی خاطر بیوی اور ننھے سے دودھ پیتے بچوں کو بے آب و گیاہ میدان میں بے سہارا چھوڑ آئے اور خود آگ کے دہکتے الاؤ میں ڈالے گئے، یہاں تک کہ اپنی جان ہی نہیں لختِ جگر کی قربانی کے آخری حکم کی بھی تعمیل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اخلاص و سچائی اور ایثار و قربانی کا یہ ایسا بے نظیر واقعہ ہے جس کی مثال آج تک کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی، اسی لئے اللہ نے اس بلند ترین عمل کو قیامت تک کے لئے ایک فریضہ کی حیثیت دے دی تا کہ عید قرباں کی تاریخی حیثیت پر نگاہ رکھتے ہوئے بندۂ مومن اپنے اندر بھی وہی جذبہ پیدا کرے اور رضائے الٰہی کے حصول کے لئے وہ سب کچھ قربان کر دے جو میسر ہو۔

قربانی کا فلسفہ سمجھنا محال ہے جب تک خدا کے خاص بندگان اور پیغمبران حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عظیم قربانی کا ذکر قرآن کے الفاظ میں نہ دیکھ لیا جائے۔ قرآن میں ان صاحبان کی قربانی کا ذکر کچھ یوں آتا ہے: ترجمہ:''میرے رب مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) نیکو کاروں

میں سے (ہو) سو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی خوشخبری دی۔ سو جب وہ اس کے ساتھ کام کاج (کی عمر) کو پہنچا اس نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے کر، تو مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ سو جب دونوں نے حکم مانا اور اسے ماتھے کے بل لٹایا۔ اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک یہ ایک کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کا فدیہ دیا اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا (ذکر خیر) باقی رکھا۔ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔"

چنانچہ خود رسول اکرم صلعم اور تمام صحابہؓ نے اس قربانی کی یادگار کو زندہ رکھا اور پوری امت کے مسلمان ہر خطے اور ملک میں اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آج لوگوں نے اسے بھی رسم بنا ڈالا، نہ اس کی حقیقت کو پہچانا اور نہ اس کے تقاضے کو سمجھا۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ جانور کا گوشت اور نہ اس کا خون چاہیے بلکہ مومن کا تقویٰ اور رضائے الٰہی مطلوب ہے۔

سورۃ حج میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"نہ ان کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں نہ خون مگر اسے تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے"

ہم جس جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنی نفسانی خواہشات کو بھی قربان کریں، تا کہ اختلاف، انتشار، بغض وحسد، کبر وغرور، عناد ودشمنی، مکروفریب اور حق تلفی وجاہ طلبی کے ذریعہ انسانیت کی تباہی کا ذریعہ نہ بنیں بلکہ عظمت وبلندی کا جو معیار قرآن مجید نے بتایا ہے اسے ہم اپنی زندگی میں سجا بسا لیں۔ ذات وبرادری، رنگ ونسل اور دولت وغربت کے سارے امتیازات کو مٹا کر اخوت و مساوات، پیار ومحبت اور ایک خدا کی عبادت و بندگی کی فضا قائم کریں۔

اس عید کے منانے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر قربانی کی وہی روح، اسلام وایمان کی وہی کیفیت اور خدا کے ساتھ محبت اور وفاداری کی وہی شان پیدا ہو جس کا مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی پوری زندگی میں کیا ہے۔ اگر کوئی انسان محض ایک جانور کے گلے پر چھری پھیرتا ہے اور اس کا دل اس روح سے خالی رہتا ہے جو قربانی میں مطلوب ہے تو وہ ایک رسم کی ادائیگی سے بڑھ کر کوئی حیثیت خدا کی نگاہ میں نہیں پاتا۔

عیدالاضحیٰ کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ ملفوظات جلد اوّل میں فرماتے ہیں:

"آج عیدالاضحیٰ کا دن ہے اور یہ عید ایک ایسے مہینہ میں آتی ہے جس پر اسلامی مہینوں کا خاتمہ ہوتا ہے یعنی پھر محرم سے نیا سال شروع ہوتا ہے۔ یہ ایک سر کی بات ہے کہ ایسے مہینہ میں عید کی گئی جس پر اسلامی مہینہ کا یا زمانہ کا خاتمہ ہے اور یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس کو ہمارے نبی کریم صلعم اور آنے والے مسیح سے بہت مناسبت ہے، وہ مناسبت کیا ہے؟

ایک یہ کہ ہمارے نبی کریم صلعم آخر زمانہ کے نبی تھے اور آپ کے وجود اور وقت بعینہ گویا عیدالاضحیٰ کا وقت تھا۔ چنانچہ یہ امر مسلمانوں کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ آپ نبی آخر الزمان تھے اور مہینہ بھی آخر الشہور رہے۔ اس لئے اس مہینہ کو آپ کی زندگی اور زمانہ سے مناسبت ہے۔

دوسری مناسبت۔ چونکہ یہ مہینہ قربانی کا مہینہ کہلاتا ہے۔ رسول کریم صلعم بھی حقیقی قربانیوں کا کامل نمونہ دکھانے کے لئے تشریف لائے تھے۔ جیسے آپ لوگ بکری، اونٹ، گائے، دنبہ ذبح کرتے ہو۔ ایسا ہی وہ زمانہ گزرا ہے کہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر خدا تعالیٰ کی راہ میں انسان ذبح ہوئے۔ حقیقی طور پر عید الاضحیٰ وہی تھی اور اسی میں ضحیٰ کی روشنی تھی۔ یہ قربانیاں اس کا لُب نہیں پوست ہیں، روح نہیں جسم ہیں۔ اس سہولت اور آرام کے زمانہ میں ہنسی خوشی سے عید ہوتی ہے اور عید کی انتہا ہنسی خوشی اور قسم قسم کے تعیشات قرار دیئے گئے ہیں۔ عورتیں اسی روز تمام زیورات پہنتی ہیں، عمدہ سے عمدہ کپڑے زیب تن کرتی ہیں، مرد عمدہ پوشاکیں پہنتے ہیں اور عمدہ سے عمدہ کھانے بہم پہنچاتے ہیں اور یہ ایسا مسرت اور راحت کا دن سمجھا جاتا ہے کہ بخیل سے بخیل انسان بھی آج گوشت کھاتا ہے۔ خصوصاً

کشمیریوں کے پیٹ تو بکروں کے مدفن ہو جاتے ہیں، گو اور لوگ بھی کمی نہیں کرتے۔ الغرض ہر قسم کے کھیل کو دلہو و لعب کا نام عید سمجھا جاتا ہے مگر افسوس ہے کہ حقیقت کی طرف مطلق توجہ نہیں کی جاتی۔ درحقیقت اس دن میں بڑا سرّ یہ تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے جس قربانی کا بیج بویا تھا اور مخفی طور پر بویا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اس کو لہلہاتے کھیت کی طرح دکھایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے ذبح کرنے میں خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں دریغ نہ کیا۔ اس میں مخفی طور پر یہی اشارہ تھا کہ انسان ہمہ تن خدا کا ہو جائے اور خدا کے حکم کے سامنے اس کی اپنی جان اپنی اولاد اپنے اقرباواعزا کا خون بھی خفیف نظر آوے۔ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جو ہر ایک پاک ہدایت کا کامل نمونہ تھے۔ کیسی قربانی ہوئی۔ خونوں سے جنگل بھر گئے، گویا خون کی ندیاں بہہ نکلیں۔ باپوں نے اپنے بچوں کو، بیٹوں نے اپنے باپوں کو قتل کیا اور وہ خوش ہوتے تھے کہ اسلام اور خدا کی راہ میں قیمہ قیمہ اور ٹکڑے ٹکڑے بھی کئے جاویں تو ان کی راحت ہے۔ مگر آج غور کر کے دیکھو بجز ہنسی اور خوشی اور لہو و لعب کے روحانیت کا کونسا حصہ باقی ہے۔ یہ عیدالاضحیٰ پہلی عید سے بڑھ کر ہے اور عام لوگ بھی اس کو بڑی عید تو کہتے ہیں مگر سوچ کر بتلاؤ کہ عید کی وجہ سے کس قدر ہیں جو اپنے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور روحانیت میں حصہ لیتے ہیں اور اس روشنی اور نور کو لینے کی کوشش کرتے ہیں جو اس ضحیٰ میں رکھا گیا ہے۔ عید رمضان اصل میں ایک مجاہدہ ہے اور ذاتی مجاہدہ ہے اور اس کا نام بذل الروح ہے۔ مگر یہ عید جس کو بڑی عید کہتے ہیں ایک عظیم الشان حقیقت اپنے اندر رکھتی ہے اور جس پر افسوس کہ توجہ نہیں کی گئی۔ خدا تعالیٰ نے جس کے رحم کا ظہور کئی طرح ہوتا ہے۔ امت محمدیہ صلعم پر ایک بڑا بھاری رحم کیا ہے کہ اور امتوں میں جس قدر باتیں پوست اور قشر کے رنگ میں تھیں ان کی حقیقت اس امت مرحومہ میں دکھلائی ہے۔

☆☆☆☆

بقیہ صفحہ 24

برلین مسجد میں تبلیغی سرگرمیاں

ان کو سکول کی لائبریری کے لئے قرآن پاک کا جرمن زبان میں ترجمہ کا نسخہ پیش کیا گیا۔

تاتاری پروفیسر کی مسجد میں آمد

27 اگست: تاتارستان کی یونیورسٹی سے پروفیسر ڈاکٹر دلارا عثمانواہ مسجد تشریف لائے اور 4 گھنٹہ قیام کیا۔ ڈاکٹر صاحبہ تاتاری کمیونٹی کی تاریخ کے اس حصہ پر کام کر رہی ہیں جس کا تعلق برلین مسجد سے ہے۔ جرمنی میں تاتاری تاریخ کی ایک کڑی برلن مسجد سے بھی ملتی ہے۔ یاد رہے کہ جنگ عظیم دوم کے دوران مسجد میں آنے والے لوگوں میں سے اکثر کا تعلق تاتاری لوگوں کا تھا اور کافی حد تک انہوں نے ہی اس کی رونق کو برقرار رکھا۔ مسجد کی تاریخ کے متعلق امام مسجد برلین کے علم میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

پولینڈ سے مہمانوں کی آمد

30 اگست: پولینڈ سے چند مہمان برلن مسجد تشریف لائے۔ برلین کی معزز خاتون غزالہ نصر الدین صاحبہ اپنے ہمراہ ان مہمانانِ گرامی کو لے کر آئیں۔ محترمہ غزالہ کا تعلق برلن سے ہے اور انہوں نے چوہدری سعید احمد صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا۔ مہمان جوڑے کا برلن مسجد سے تعلق 30 سال پرانا ہے۔ بقول ان کے امام چوہدری سعید احمد صاحب پولینڈ میں قیام کے دوران ان کی رہائش گاہ پر بھی تشریف لائے تھے۔ مسجد کی تزئین و آرائش دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ پرانے رشتے پھر سے استوار ہو رہے ہیں۔ آمین

کچھ خیال آخرت کا بھی!

طیب اسلام (واعظ)

ترجمہ: ''لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے (جیسے) عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی یہ اس زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس بہتر ٹھکانہ ہے''

(سورۃ آل عمران: 14)

یہ دنیا کا مال مرغوب نفس ہے۔ اس آیت میں عام انسانی فطرت بتائی ہے کہ کوئی جمال پر لٹو ہے، کوئی جلال پر، کوئی آن پر، کوئی اولاد پر، کوئی سونے چاندی پر، کوئی گھوڑوں، مال مویشوں پر مگر یہ سب اس فانی دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ اللہ پاک فرماتے ہیں:

''کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر فدا ہو گئے یعنی تم نے اس پر اکتفا کر لیا۔ سو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہی ہے پھر یہ دنیاوی لوگوں کا سامان سونا، چاندی، مال مویشی، جائیدادیں اور کارخانے وغیرہ آخرت میں کام آنے والی چیزیں نہیں ہیں۔ یہاں ہم کتنا ہی ساز و سامان بنالیں۔ موت کی آخری ہچکی کے ساتھ ہر چیز سے کنارہ کش اور دست بردار ہونا پڑے گا۔ موت کی سرحد عبور کرنی ہے وہاں ان میں سے کوئی چیز بھی ہمارے ساتھ منتقل نہ ہوگی۔ وہاں اگر اس کا کچھ حصہ اگر ہم پا سکتے ہیں تو صرف وہی ہے جسے ہم نے خدا کی رضا پر قربان کیا ہو۔ دین کو دنیا پر مقدم کیا ہو وہ کام آئے گا اور کچھ نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مومن آدمی تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا قرآن شریف نے اس کی باتوں کو بیان کیا ہے۔ ''اس نے کہا! اے میری قوم میری پیروی کرو تا کہ میں تمہیں بھلائی کا راستہ دکھاؤں'' (المومن: 39) وہ مومن آدمی اپنی قوم کو تبلیغ کرتا تھا۔ آج ہماری جماعت پر تبلیغ کی پابندی ہے۔ آج بھی ہمارے اوپر فرعون کے زمانہ کی مشکلات ہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہیں۔ آج جھوٹ کو سچ بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اگر آج ہم آزادانہ تبلیغ نہیں کر سکتے تو اپنی اولادوں کو، اپنی بیویوں کو، اپنی بہنوں، اپنے بھائیوں کو گھر میں تو تبلیغ کر سکتے ہیں۔ وہ مومن آدمی کیا کہتا ہے: ''اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی صرف چندروزہ سامان ہے اور آخرت ہی ٹھہرنے کا گھر ہے۔ جو برائی کرتا ہے اس کی مثل بدلہ دیا جاتا ہے اور جو نیکی کرتا ہے مرد ہو یا عورت ہو اور وہ مومن ہو تو وہی بہشت میں داخل ہوں گے وہاں وہ بے حساب رزق پائیں گے۔'' اے میری قوم تجھے کیا ہوا ہے میں تجھے نجات کی طرف بلاتا ہوں یعنی نجات اور فلاح اسی میں ہے اور تم مجھے آگ کی طرف دعوت دیتے ہو۔ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اس کو شریک کروں جس کا مجھے علم نہیں اور میں تجھے غالب بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔''

(المومن 41 تا 43)

ہماری دعوت اللہ کے پیغام کی طرف ہے اللہ کے پیغام میں ہی ہماری نجات اور فلاح ہے اور وہ مومن کہتا ہے۔ ''سچ تو یہ ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کے لئے دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں اور کہ ہمارا لوٹ کر جانا اللہ کی طرف ہے اور کہ حد سے گزرنے والے ہی آگ کے رہنے والے ہیں۔ سو تم یاد رکھو گے جو تمہیں میں کہتا ہوں اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے'' (المومن: 44) یعنی تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکو گے۔ اپنا ہی نقصان کرو گے ایک اور مقام پر خدا تعالیٰ

فرماتا ہے:

''مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہے''(18:46) یہ بہت پیارے اور بھلے معلوم ہوتے ہیں۔انسان اپنی اولاد کے لئے سب کچھ نچھاور کر دیتا ہے اور اولاد آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں اور امید کے لحاظ سے بھی اچھے ہیں''(29:64)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''یہ دنیا کی زندگی تو بے حقیقت شغل اور کھیل ہے اور آخرت وہی یقیناً اصل زندگی ہے''(29:64) آخرت کے گھر سے وہ امور مراد ہیں جو اخلاق اور روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔

پہلی چیزیں کھانا پینا اور حوائج جسمانی کا پورا کرنا یہ تو موت کے ساتھ ختم ہوجاتی ہے۔جو انہی کو غرض زندگی ٹھہرا لیتا ہے وہ گویا لہولہب میں مصروف ہوگیا کیونکہ حقیقی غرض زندگی سے محروم رہ گیا پس جو حقیقی غرض زندگی کو اختیار کرتا ہے وہی کامیاب ہوگیا۔دنیاوی زندگی اللہ تعالیٰ کی نظر میں اخروی زندگی کے مقابلے میں ایک بے وقت چیز ہے۔متقی کی تمام کوشش اخروی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے ہونی چاہیے۔اللہ تعالیٰ اس کی دنیوی زندگی کا خود کفیل ہوجائے گا۔یہ خدا کا وعدہ ہے۔خدا اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا''اور جو اللہ کا تقویٰ کرتا ہے وہ اس کے لئے (مشکلات) سے نکلنے کا رستہ بنا دیتا ہے''ویرزقه من حیث لایحتسب اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان نہیں ہوتا''۔ایک جگہ قرآن پاک میں آتا ہے''اللہ ہی کافی دوست ہے اور اللہ ہی کافی مددگار ہے'' (النساء:45)جس کا اللہ دوست ہو اسے کسی چیز کی کمی نہیں۔

حدیث قدسی ہے:

''اے ابن آدم تم میری عبادت کے لئے فارغ ہوجا میں تیرے سینے کو تفکرات سے خالی کر دوں گا۔

آج دنیا تفکرات سے کیوں بھری پڑی ہے۔قرآن پر عمل کرنا چھوڑ دیا۔عبادت چھوڑ دی۔خدا تو حکم دیتا ہے:

''اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا''(سورۃ البقرہ :21)لیکن ہم نے عبادت کو چھوڑ کر دنیا کو غرض زندگی بنا لیا۔اسی لئے ہمارے مشاغل دنیا میں بڑھ گئے ہیں۔قرآن بھی کہتا ہے الھکم و التقاثر ''کثرت مال کی خواہش نے تمہیں غافل کر رکھا ہے''حتی زرتم المقابر یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھتے ہو''اسی طرح ایک حدیث میں آتا ہے:

''جو شخص دنیا کے پیچھے پڑ جائے گا اس کا حق تعالیٰ سے کوئی واسطہ نہیں اور جو مسلمان سے بے فکر ہوجائے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔''

ایک اور حدیث میں ہے کہ:

''دنیا کے پیچھے دوڑو گے تو دنیا تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی۔دین کے پیچھے بھاگو گے۔دنیا تمہارے پیچھے پیچھے آئے گی۔''

آج عمل کا دن ہے،حساب کا نہیں۔کل آخرت کا گھر ہے جس میں عمل نہیں۔ابھی ہمارے پاس وقت ہے جس میں ہم اپنے دین اور دنیا دونوں کو سنوار سکتے ہیں۔اللہ سے دعا ہے کہ اللہ ہمیں دین اور دنیا دونوں میں کامیابی عطا فرمائے۔آمین

☆☆☆☆

انگریزی سے ترجمہ: ہما خالد، ایم۔اے

برلین مسجد میں تبلیغی سرگرمیاں

رپورٹ ماہ اگست 2017ء

از: عامر عزیز، ایم اے (امام برلین مسجد)

علماء سے ملاقات

7اگست: ڈاکٹر گارڈین یونکر اور پروفیسر رزاق صاحب مسجد تشریف لائے اور مستقبل میں مسجد کے پرانے ریکارڈ کو محفوظ کرنے کی اہمیت پر تبادلہ خیال کیا۔ انہوں نے اس بارے میں اپنی قیمتی عملی تجاویز کی پیشکش بھی کی۔ سابق امام سعید احمد چوہدری صاحب کے زمانے سے متعلق سو سے زائد تاریخی معلومات، تصاویر اور خطوط موجود ہیں۔ ڈاکٹر یونکر صاحبہ ان صفحات کو بڑی محنت سے محفوظ کر رہی ہے اور ان کا مفصل جائزہ بھی لے رہی ہیں۔ یہ ریکارڈ ڈاکٹر یونکر صاحبہ کی وجہ سے بہتر حالت میں محفوظ ہو جائے گا۔

ٹیلی ویژن پر نشر کیا گیا انٹرویو

11اگست: برلین کے مقامی RBB ٹیلی ویژن کی جانب سے جمعہ کا خطبہ ریکارڈ کیا گیا۔ چونکہ موضوع زکوٰۃ اور خیرات تھا لہذا ٹیلی ویژن والوں نے اسلام میں زکوٰۃ اور خیرات کی اہمیت کے متعلق ہی سوالات کیے۔ جن کے امام برلین مسجد، عامر عزیز صاحب نے تفصیل سے جواب دیئے۔

یوم آزادی پاکستان کی تقریب

14اگست: پاکستان ایمبیسی برلن کی جانب سے یوم آزادی منایا گیا۔ جس میں مختلف مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے پاکستانی شخصیات، خواتین و مرد اور جرمن مدعوین نے شرکت کی۔ امام برلین مسجد بھی ان کی دعوت پر شریک ہوئے۔

ڈوئش سٹیفٹنگ ڈینکمالز سے ملاقات

15اگست: مذکورہ بالا ادارہ کی انتظامیہ سے امام مسجد برلین نے ملاقات کی۔ جرمنی کے یادگار مقامات سے متعلق ایک دن منانے پر گفتگو کی گئی۔ برلین مسجد کی دوبارہ تعمیر میں اسی ادارہ نے مالی امداد فراہم کیے ہیں۔ ملاقات میں یہ بھی طے کیا گیا کہ اس سال برلن مسجد کو تاریخی عمارات اور مقامات میں مرکزی اہمیت دی جائے گی اور انتظامیہ کے افسران اُس روز مسجد میں موجود ہوں گے۔

HWPL کی جانب سے بین المذاہب مباحثہ

17اگست: HWPL بین المذاہب ہم آہنگی کی بین الاقوامی تنظیم کی جانب سے ایک مباحثہ کا اہتمام کیا گیا جس میں ہر مذہب میں پیدائش سے لے کر بیماری اور موت سے متعلق سوالات پر گفتگو ہوئی۔ عیسائیت، بدھ مت اور اسلام کے نمائندگان نے مباحثہ میں شرکت کی۔ امام برلین مسجد نے بانی سلسلہ احمدیہ کی کتاب Teachings of Islam سے اقتباسات پیش کیے۔

ہائی سکول کے طلباء کی برلن مسجد میں آمد

22اگست: بیئفلڈ سے فرای والڈوفشول ہائی سکول کے طلباء مسجد میں سات گھنٹے کی مسافت طے کر کے آئے۔ 35 سے زائد طلباء نے اپنے استاد کے ہمراہ قریباً 2 گھنٹے مسجد میں گزارے۔ انہیں پریذنٹیشن کے علاوہ سوالات کرنے کا موقع بھی دیا گیا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 21)

مدثر عزیز (مدیر) پیغام صلح انٹرنیشنل نے دفتر 8-7 برنیئر سٹریٹ 10713 برلن (جرمنی) سے شائع کیا

دل کے بُرے خیالات کو عمل میں لانے کا عزم کرنا قابل مواخذہ ہے

اپنے بھائیوں کی ہتک کرنا اور دُکھ پہنچانا بہت بڑا گناہ ہے

ارشادات حضرت مجدد زماں مسیح موعودؑ

دل میں جو خطرات اور سرسری خیال گزر جاتے ہیں۔ان کے لئے کوئی مواخذہ نہیں مثلاً کسی کے دل میں گزرے کہ فلاں مال مجھے مل جاوے تو اچھا ہے۔یہ ایک قسم کا لالچ تو ہے لیکن محض اتنے ہی خیال پر جو طبعی طور پر دل میں آئے اور گزر جاوے۔ کوئی مواخذہ نہیں لیکن جب ایسے خیال کو دل میں جگہ دیتا ہے اور پھر عزم کرتا ہے کہ کسی نہ کسی حیلے سے وہ مال ضرور لینا چاہیے تو پھر یہ گناہ قابل مواخذہ ہے۔غرض جب دل عزم کر لیتا ہے تو اس کے لئے شرارتیں اور فریب کرتا ہے تو یہ گناہ قابل مواخذہ لکھا جاتا ہے۔پس یہ اس قسم کے گناہ ہیں جو بہت ہی کم توجہی کے ساتھ دیکھے جاتے ہیں اور یہ انسان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں۔ بڑے بڑے اور کھلے گناہوں سے تو اکثر پرہیز کرتے ہیں۔ بہت سے آدمی ایسے ہوں گے جنہوں نے کبھی خون نہیں کیا، نقب زنی نہیں کی، یا اور اس قسم کے بڑے بڑے گناہ نہیں کئے۔سوال یہ ہے کہ وہ لوگ کتنے ہیں جنہوں نے کسی کا گلہ نہیں کیا یا کسی اپنے بھائی کی ہتک کر کے اس کو رنج نہیں پہنچایا یا جھوٹ بول کر خطا نہیں کی؟ یا کم از کم دل کے خطرات پر استقلال نہیں کیا؟ میں یقیناً کہہ سکتا ہوں کہ ایسے لوگ بہت ہی کم ہوں گے جو ان باتوں کی رعایت رکھتے ہوں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ ورنہ کثرت سے ایسے لوگ ملیں گے جو تقریباً جھوٹ بولتے ہیں اور ہر وقت ان کی مجلسوں میں دوسروں کا شکوہ ہوتا رہتا ہے اور وہ طرح طرح سے اپنے کمزور اور ضعیف بھائیوں کو دُکھ دیتے ہیں۔

اس لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے۔ میں اس وقت بُرے کاموں کی تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔قرآن شریف میں اوّل سے آخر تک آوامر اور نواہی اور احکام الٰہی کی تفصیل موجود ہے، اور کئی سو شاخیں مختلف قسم کے احکام کی بیان کی ہیں۔خلاصۃً یہ کہتا ہوں کہ خدا تعالیٰ کو ہرگز یہ منظور نہیں کہ زمین پر فساد کریں۔اللہ تعالیٰ دنیا پر وحدت پھیلانا چاہتا ہے لیکن جو شخص اپنے بھائی کو رنج پہنچاتا ہے۔ظلم اور خیانت کرتا ہے وہ وحدت کا دشمن ہے جب تک یہ بدخیال دل سے دُور نہ ہوں کبھی ممکن نہیں کہ سچی وحدت پھیلے۔اس لئے اس مرحلہ کو سب سے اول رکھا۔ (ملفوظات جلد ہشتم)